

# ایک شلوک

مصنفہ

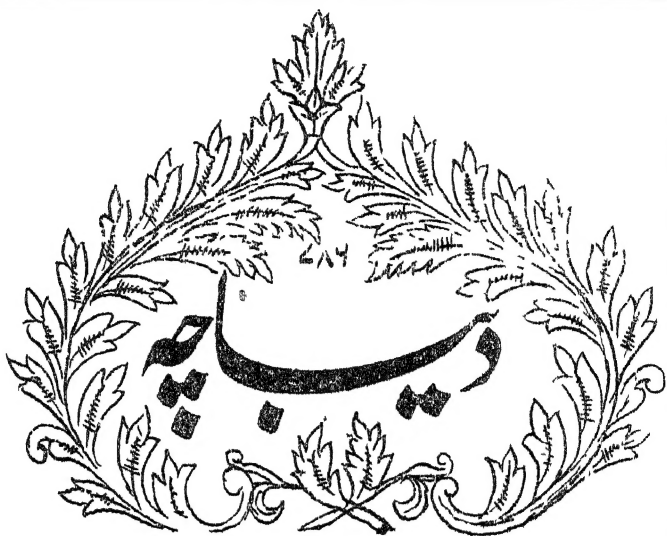
خادم کوئین محبت حسین عفت - انتہاء انوہ منت  
گلزار معرفت - رنات محبت - وصال حق بغیر

خلاصہ

اس کتاب میں معرفت و حقیقت کا دریا کوزے میں بھرا گیا ہے اور تمام  
اسرار باطن پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ ایک کو اس کتاب کی  
اشرف صورت تھی اور یہ اردو خالص فقہ تصوف میں آپ  
اپنی نظیر ہے۔ کوئی مقام سنی اور تنزل اس میں  
فرد گداشت نہیں کیا گیا ہے۔

۱۳۳۴ھ  
مطبع اختر و کن واقعہ فضل گنج حیدر آباد کراچی

جماعت حق محفوظ



یہ کتاب اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ عوام الناس کو علم تصوف اور فلسفہ  
 بالہن سوجامی واقفیت حاصل ہو اور وہ ان غلط خیالات سے محفوظ رہیں جو اس زمانہ میں  
 روحانیات کی نسبت بہت شایع ہیں اگر اس کے پڑھنے سے صرف یہی مقصد حاصل  
 ہو تو مصنف کی محنت چیز ہوئی۔ مگر اس کتاب کا اخذ کتاب میٹھڑ ٹوسا پچک ڈولپ  
 میٹ یعنی انکشاف اسرار عالم مثال ہے۔ مصنف نے قرآن شریف اور حدیث نبوی اور دیگر  
 کتب تصوف بھی مدولی ہے اور اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ سے بھی کام لیا ہے اور جدید و قدیم  
 معلومات کے جو بات ٹھیک نظر آئی ہے وہی درج کی گئی ہے گویا کہ یہ ایک عطر ہو جو ہزاروں  
 مختلف رنگ اور خوشبودار پھولوں سے کھینچا گیا ہے۔ جہاں تک ہو سکا اس کتاب کے  
 مزاج الفہم بنانے میں سعی کی گئی ہے اور مطالب کی صحت کا خیال بھی رکھا گیا ہو امید ہے  
 ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو ضرور اسرار باطنی کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ تو کلمت  
 علی اللہ وَهُوَ حَسْبُنِي وَالْغَمُّ الْوَكِيلُ۔ مراقم۔ محب حسین۔ فیضانہ حیدر آباد کن

# فہرست مضامین انکمہ سلوک

صفحہ	نمبر	مضمون
۱	۱۳	حفاظت کرنیوالا پروہ
۱		فصل ۳ علم اشراق یا روش
۲	۴	غیر مری دنیا
۳	۱۳	عالم آخرت اور عالم مثال کی ثبات
	۸	پر بکثرت شہادتین موجود ہیں۔
۴	۱۵	عالم مثال کے نامحوصل اثرات
۵	۱۳	یا آخرت کا وجود حقیقی
۶	۱۶	سنو اور خواب دیکھنا
		فصل ۲ ہم عالم مثال کو اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھتے۔
۷	۱۸	ہمارے اور عالم مثال کے درمیان
	۲۰	پروہ یا حجاب
۸	۲۴	خونک مضامین اور کتابین
۹	۲۸	عقل سلیم اور عام فہمی کو کام لینا چاہیے
۱۰	۲۹	من عرف نفسه فقد عرف ربه
۱۱	۳۱	قبل از وقت عالم مثال کا گھلنا
۱۲	۳۳	عالم مثال کے اثرات
		فصل ۴ مہموک
		جسمانی خصوصیت

نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون	صفحہ
۲۴	ٹیلیگراف یا عالم مثال کی تاثیر	۵۷	۵۹	یا اضطرابی ہوتے ہیں۔	۷۹
۲۵	اور پیغام۔	۵۷	۸۲	روح اعلیٰ	۸۲
۲۵	مقدس کنواری لڑکیاں	۵۹	۸۳	عالم مثال کے تجربہ بنی یاد	۸۳
۲۶	معمول کو خطرات	۶۱	۸۵	آئندہ واقعات کا مشاہدہ	۸۵
۲۷	ناپاک اطراف و جوانب	۶۳	۸۶	عالم آخرت سے تعلق پیدا کرنا یا	۸۶
۲۸	مجالس اہل تشدد کی شرائط	۶۶	۸۶	عالم ملکوت اور جبروت کا کھلنا۔	۸۶
۲۹	روح کو مادی شکل میں لانے	۶۸		فصل ۶۔ عالم مثال کے دیکھنے	
	کے خطرات	۶۸		کی ادنیٰ ابتدائی قوت	
۳۰	ایتھریل مادے کا نقصان	۶۹	۴۰	عالم مثال کے دیکھنے کی ادنیٰ	
۳۱	زندہ اشخاص پر ارواح کا مسلط	۷۰	۸۷	ابتدائی قوت قدیم قوم اٹلانٹین	۸۷
	ہونا یا قبضہ کرنا	۷۰	۸۹	انسانی جسم میں عالم مثالی کو مرکز	۸۹
	فصل ۵۔ روح اعلیٰ	۷۲	۹۱	قواسم عقل کی ترقی	۹۱
۳۲	تفہیم و مانع	۷۳	۹۴	دریانی حالت	۹۴
۳۳	اصطلاحی الفاظ کا غلط استعمال	۷۴	۹۵	اور دوسرے چکر اور مرکز	۹۵
	اور اسوجہ سے کتاب کو سمجھنے	۷۵	۹۷	دوسری آنکھ یعنی چشم باطنی	۹۷
	میں غلط فہمیاں	۷۵	۹۷	چشم باطنی پیدا کرنے کے کتابتیں	۹۷
۳۴	روح سے انفصال، خواص	۷۷	۹۹	قدیم زمانہ کی احتیاط	۹۹
۳۵	روح طبی حکم کے تحت یا غیر ارواحی	۷۸	۱۰۲	بعض نقصانات یا مضرتیں	۱۰۲



نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون
	فصل ۱۔ چید باطنی پیدا کرنے کے ابتدائی طریقے۔			روحانیت کے کوئی کمالات ہو سکتے
۴۹	تفطل حواس ظاہری اور باطنی	۱۰۵	۵۹	اصول تکرار
۵۰	حبس و مہاساں روکنا	۱۰۷	۶۰	ابتدائی مراتب یعنی مہاراج
۵۱	حبس و مہکا اصلی مقصد	۱۰۸	۶۱	روزمرہ کی زندگی میں دل کو تربیت کرنا
۵۲	حبس و مہکے نتائج	۱۱۰		
۵۳	خیال کو شمسی مرکز یا پھر رجحان	۱۱۲	۶۲	توجہ یا ہمت یعنی خیال کو ایک ہی مرکز پر قائم کرنا۔
۵۴	ایک سفید یا سیاہ داغ پر کبھی مبتلا لوٹو یا آئینہ پر نظر کرنا	۱۱۳	۶۳	مراقبہ
۵۵	اشغال بے فائدہ	۱۱۶	۶۴	تصور شیخ
	فصل ۲۔ عالم مثال کے اعلیٰ طبقات کی دید		۶۵	عالم مثال کا کھلنا
۵۶	سچے سالکین کا طریقہ	۱۱۹	۶۶	عالم مثال کے کھولنے کا ایک خاص طریقہ
۵۷	مدارج ترقی کو جلد ہی حاصل کرنا	۱۲۲		فصل ۳۔ فنا فی اللہ اور بقا باللہ۔
۵۸	القلب خلاق الاشیا یعنی دل بہت بڑا بنایو الاشکلوں کا ہے	۱۲۵		
۵۹	روح کا ظہور جسم کی ترقی پر منحصر یعنی جسم کی ترقی اور نمو کے بغیر قوا			

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# آئینہ سلوک

عالم مثال

## فصل ۱۔ اندراج الكل فی الكل

عالم مثال کہاں ہے؟

دنیا کے تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دنیا یا عالم ناموس  
دوسری وسیع دنیا یا عالم مثال کا ایک پیش داغلان ہے۔ یعنی مرنے  
کے بعد سمین ایک اور عالم میں جانا ہوتا ہے جو اس عالم مادی سے  
بہت ہی بڑا اور وسیع ہے۔ جبکہ عالم مثال یا عالم ملکوت کہتے ہیں  
مادین اور آجکل کے سائنسٹک لوگ تو اس عالم کے وجود ہی  
سے منکر ہیں۔ اور اہل مذاہب یعنی علماء ظواہر اس کے وجود  
کو انکار نہیں کرتے۔ مگر اسکو مخفی اور نامعلوم قرار دیتے ہیں۔ اور

انہوں نے دنیا داروں کو یہ باور کرایا ہے کہ عالم آخرت آسمان  
 پر ہے۔ متکلمین نے اس کے اثبات میں مختلف دلائل پیش کئے  
 ہیں اور شاعر و نئے اسکے باغوں اور جنتوں اور جہنموں کے  
 مختلف خواب دیکھے ہیں اور اپنے خیالوں کو طرح طرح کی  
 رنگا میزیوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مگر اہل دل اور اہل تصوف  
 نے اس عالم مثال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کو صاف  
 صاف اسی طرح بیان کیا ہے جیسے کوئی سیاح کسی ملک کو جا کر  
 دیکھے اور پھر اس کے حالات نہایت ہی شرح و بسط کے ساتھ  
 لکھے مہاتما بودہ فرماتے ہیں کہ میں عالم مثال سے اسی طرح واقف  
 ہوں جس طرح اپنے وطن کے گلی کو بچوں سے سالکین کو عالم مثال  
 کے تمام طبقات کا تفصیلی علم ہے اور انہوں نے اس عالم کے  
 باشندوں اور ان کے اچھے بُرے حالات کو نہایت ہی احتیاط  
 کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں اسی عالم کی  
 نسبت جا بہا مختلف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہاں حورین  
 ہیں اور محل سراہین اور دنیا کی طرح صد ہا قسم کے میوے ہیں۔  
 وہاں نہریں جاری ہیں اور طرح طرح کے خوشنما باغات ہیں۔  
 وہاں لوگ بڑے عیش و آرام میں رہیں گے۔ اور وہاں عذاب  
 کی بھی مختلف شکلیں ہیں۔ جو لوگ جنت اور بہشت کے مفصل  
 حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں انہیں ضرور ہے کہ قرآن مجید کو بشور

ماحولہ فرمائیں اور احادیث اور اقوال بزرگان دین سے بھی جنھوں نے بذاتہ اس عالم کا مشاہدہ کیا ہے عالم مثال کے چوک حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔

آج کل روز بروز اس عالم مثال کا علم زیادہ ہو رہا ہے اور اسکے تفصیلی کیفیات سالکین پر زیادہ وضاحت کے ساتھ منکشف ہوئی چلائی ہیں مگر ابھی عوام الناس کو ان حالات کی کچھ خبر نہیں اور وہ بوجہ عدم علم کے ان باتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور اپنی جہالت کی وجہ سے خداوند تعالیٰ کی وسیع مخلوقات کے مشاہدے سے محروم ہیں۔

جب کسی معمولی دنیا دار سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ عالم مثال یا عالم آخرت کہاں ہے۔ تو وہ اس سوال کو سکر دنگ رہ جاتا ہے اور کوئی جواب نہیں دیتا مگر جب اسکی یہ ہیرت اور تعجب کم ہونے لگتا ہے تو اسکو یاد آتا ہے کہ میں نے کہیں کسی مذہبی کتاب میں آخرت کا لفظ پڑھا ہے یا کسی واعظ کی زبان سے۔ یہ عالم مثال یا آخرت کا بیان سنا ہے تو وہ اپنی اونگھی آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے کہ عالم آخرت وہاں ہے۔ اس کے اس جواب سے صاف واضح ہے کہ وہ اپنے ذہن میں عالم آخرت کی جگہ آسمان میں اسی طرح جانتا ہے جس طرح کہ زہرہ اور مشتری میں۔ اگر یہ شخص کتب نقوش کا مطالعہ کرتا تو اسکو معلوم ہو جاتا کہ عالم

ہمارے ہی اندر اور باہر ہر جگہ ہے اور ہم اسکے اندر ہیں اور وہ ہمارے دل کے اندر ہے۔ اور اسی طرح ہر چیز کے اندر اور باہر عالم مثال موجود ہے۔ گویا کہ دنیا کے اندر عالم مثال اور عالم مثال کے اندر دنیا ہے۔

بالفرض اگر ہم اس کا یہ جواب صحیح مان لیں کہ عالم مثال آسمان میں ہے اور ہم مشتری تارے پر جائیں اور وہاں بھی یہی سوال کریں کہ عالم مثال کہاں ہے۔ تو اس وقت بھی یہ معمولی آدمی یہی جواب دیگا کہ ہمارے اوپر ہے اور اس وقت یہی ہماری زمین ہمارے اوپر نظر آئے گی۔ جس طرح کہ اس وقت ہم کو مشتری ہمارے اوپر نظر آتی ہے ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہم عالم مثال اپنے اوپر خیال کریں جبکہ وہ ہمارے ہی اندر ہے اور یہ کہیں آسمان میں ہے۔

## غیر مری دنیا

سائلین جو مخفی اسرار قوانین قدرت سے آگاہ ہیں اس غیر مری دنیا یعنی عالم مثال سے بخوبی واقف ہیں۔ ہمارے اس کرہ ارض کے اطراف ایک اور لطیف مادے کا عالم محیط ہے اور یہ لطیف مادہ دنیا کی ہر شے کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرہ ہی کیون نہ ہو جس کے

اندر اور باہر یہ لطیف مادہ موجود نہ ہو۔ ہم سب اس وقت عالم مثال میں موجود ہیں مگر اُس سے واقف نہیں۔ عالم مثال کے مخلوقات انسان۔ جانور وغیرہ سب ہمارے اطراف و جوانب پائے جاتے ہیں۔ مگر ہم انہیں دیکھتے نہیں۔ آسمان پر عالم آخرت کو تلاش کرنا بالکل بے سود ہے۔ نہ وہ ستاروں میں ہے اور نہ وہ اور کہیں۔ مگر وہ ہمارے ہی اطراف اور ہمیں میں موجود ہے جس طرح کرہ ہوا اور آتش ہمارے اطراف و جوانب محیط ہیں جنہیں ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے اسی طرح عالم مثال بھی ہمارے چاروں طرف محیط ہے۔ اس عالم کے باشندے ہمارے پاس سے بلکہ ہمارے اندر سے گزر جاتے ہیں مگر ہمیں اُن کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔

قرآن شریف میں جہان کہیں سموات کا ذکر ہے تو اس سے یہی سات عالم مراد ہیں اور آسمان سمو سے مشتق ہے جسکے معنی بلندی کے ہیں۔ پستی اور بلندی کے معنی ثقل اور لطافت کے ہیں اور سبعہ سموات سے مراد سبعہ عوالم ہیں جن کے مادے ایک دوسرے کی نسبت لطیف تر ہیں۔

جب اس وسیع عالم کے لوگ اس مادی دنیا میں کام کرنا اور اس کا تجربہ اور مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس جسم کثیف کو اختیار کرتے ہیں۔ اسی کارروائی یعنی اس جسمانی قالب میں آنے کو ہم حیات یا پیدائش یا زندگی وغیرہ کہتے ہیں۔ اور جب یہ لوگ اس دنیا کی سیر

اور عمارتیں یا محنت اور کام سے دل برداشتہ ہو جاتے ہیں تو اس  
قالب جسمانی کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس وقت یہ کارروائی یعنی جسم  
کے چھوڑ دینے کو موت کہتے ہیں اسکی ٹھیک مثال یہ ہے کہ آدمی  
جب گھر سے باہر جاتا ہے۔ تو اپنے بدن کی حفاظت کے لئے کوٹ  
پہن لیتا ہے اور جب مکان میں واپس آتا ہے۔ تو اُمار ڈالتا ہے  
یا جب کپڑے پرانے ہو جاتے ہیں تو انھیں پھینک دیتا ہے اور  
نیا جوڑا پہنتا ہے۔ غرض کہ حیات اور موت صرف اس مادی قالب کا  
اختیار کرنا اور چھوڑ دینا ہے۔ اور یہ عالم آخرت جسکا مادہ لطیف  
ہے ہمارا اصلی وطن ہے اور یہ کثیف مادی والی دنیا پردیس یا  
اجنبی ملک ہے جہاں ہم کچھ مدت تک رہ کر چلے جاتے ہیں۔ ہم  
اس دنیا میں وقتاً فوقتاً آتے ہیں اور یہاں تھوڑے عرصے کے بعد  
میں ٹھہر کر واپس چلے جاتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک  
شخص خام اشیاء کے خریدنے کے لئے دو دروازے کو جاتا ہے۔  
اور وہاں سے انھیں نیکو و برے دو راستے تیار کر دیے جاتے ہیں  
ہم اس دنیا میں عظیم الہی اور دنیاوی مقصدوں پر مشابہہ ماحول کر دینے کے  
لئے آتے ہیں اور پھر اپنی طاقت کے بموجب یہاں کام کر کے لوٹ  
جاتے ہیں۔ اسی آزمائشی کو حیات اور موت سے تعبیر کرتے ہیں۔  
عالم آخرت سے دنیا میں آنے جانے کو اہل ہند اپنی اصطلاح میں  
آواگون (تناسخ) کہتے ہیں اور اہل اسلام اسکو بعث و نشر سے تعبیر

کرتے ہیں اور اہل یورپ اسکو اپنی زبان میں ربی انکاریشن  
 بولتے ہیں۔ الفاظ میں اختلاف ہے مگر معنی اور مفہوم ان سب  
 کے ایک ہی ہیں چنانچہ قرآن شریف میں خداوند تعالیٰ جل شانہ  
 فرماتا ہے۔ وَكُنْتُمْ أَشْوَاحًا لِّمَا كَرِهَ لَكُمْ شَيْءٌ مِّنْهُ  
 يَتَّبِعِكُمْ لَئِيْذٌ تَرْجِعُوْنَ۔

یعنی تم مردے تھے پھر تم کو جلایا۔ پھر تم کو مارا پھر تم کو جلایا پھر  
 تم اسی کی طرف لوٹتے ہو۔

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ دنیا میں لوگ مگر پھر زندہ ہوتے  
 ہیں اور پھر زندہ ہو کر مرتے ہیں یعنی عالم آخرت سے آتے اور پھر  
 وہیں لوٹ جانے کا سلسلہ قائم ہے اسی طرح ایک اور آیت قرآن  
 سے بھی آواگون ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ بل ہمارے لیس  
 صنف خلق جل یلا۔ یعنی وہ بار بار زندگی کا جامہ پہنتے ہیں یعنی  
 اس عالم ناسوت میں پیدا ہوتے ہیں۔ الغرض آیات قرآنی سے ہمارا  
 یہاں آنا جانا بخوبی ثابت ہے اور عالم آخرت یا مثال ہمارا وطن مالوت  
 مگر عموماً لوگ اس عالم آخرت سے واقف نہیں۔ جو اس دنیا سے

دنی سے بہت ہی وسیع ہے۔ اس عدم علم کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے  
 بعض باطنی حواس سے کام نہیں لے سکتے۔ اگرچہ کہ وہ ہم میں بالفعل  
 بطور قابلیت کے موجود ہیں۔ اگر کسی شخص کی قوت شامہ سردی یا  
 اور کسی وجہ سے جاتی رہی ہو اور وہ ایک ایسے کمرے میں داخل



ہو جہاں گلاب کے خوشبودار پھول رکھے ہوں اور ان سے جبینی  
 جبینی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی ہو تو وہ کبھی ان پھولوں کی  
 بو کو محسوس نہ کرے گا۔ یا اگر کوئی ایسا شخص جسکی نظر کوتاہ ہے کسی  
 ایسے سبزہ زار یا گلستان میں جائے جہاں رنگ برنگ کے پھول  
 کھلے ہوں اور چاروں طرف سبزہ لہلہا رہا ہو تو اس کم نظر کو یہ قدرت کی  
 خوبصورتی پوری طور سے دکھائی نہ دے گی بلکہ اسکو بھورا دھواں سا  
 نظر آئے گا۔

عالم آخرت فی الواقع موجود ہے۔ مگر اسکی خوبصورت قدرتی مناظر  
 اور اسکے باشندے ہمیں دکھائی نہیں دیتے۔ ہم میں اس کے محسوس  
 کرنے کے حواس باطنی موجود تو ہیں مگر وہ اس قدر کمزور اور  
 بے کار ہیں کہ اس عالم کی ہوا کا متوج یا حرکات ان تک نہیں پہنچتے  
 اور ہم بوجہ عدم قابلیت کے وہاں کی کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے  
 بھی عام طور پر اس قدر ترقی باطنی ظہور میں نہیں آئی کہ اکثر لوگ اس  
 عالم کو اپنے حواس باطنی سے مشاہدہ کریں۔ مگر امید ہے وہ زمانہ  
 نزدیک ہے کہ عام طور پر لوگ اس عالم کو اپنی نظر سے دیکھیں گے  
 اور اس کی مخلوق سے فائدے اٹھائیں گے۔

عالم آخرت اور عالم مثال کی اثبات پر بکثرت  
 شہادیتیں موجود ہیں

اگر ہم اخبارات اور کتابوں کو اس نظر سے پڑھیں کہ لوگوں کو وقتاً  
وقتاً کون سے ایسے واقعات کا تجربہ ہوا ہے یا ہو رہا ہے جو عالم  
آزیت یا عالم مثال کی شہادت میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔ تو تصور  
ہی عرصہ کے بعد ہمارے پاس ایسے واقعات کا خزانہ جمع ہو جائیگا  
جس سے ہمیں ان عالموں کے یقین میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے گا  
ہر شخص کا انفرادی تجربہ اور مشاہدہ تو نا کافی الثبوت ہے۔ مگر  
جب اکثر اشخاص کا یہ انفرادی تجربہ ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے تو وہ  
البتہ کسی مسئلہ کے اثبات کا پورا ثبوت ہوتا ہے اور اسی کو اصطلاح  
منطق میں تو اتر کہتے ہیں۔ جو یقینی استدلال کی ایک قسم ہے۔ اتفاقاً  
جب کبھی ہم ایک خواب دیکھتے ہیں یا کسی روح کو اپنے سامنے پا  
تے ہیں تو یہ واقعہ ایک وقت تک ہمیں یاد رہتا ہے اور اس کو ہم اپنے  
دو چار دوستوں سے بیان کرتے ہیں اور اس پر تھوڑا بہت غور  
کر کے کوئی نتیجہ نکالتے ہیں مگر پھر ایک عرصہ کے بعد ہم اس واقعہ  
کو بھول جاتے ہیں۔ اور وہ نسیا منیا ہو جاتا ہے۔

واقعی اس جزوی تجربہ اور مشاہدے سے کوئی کافی نتیجہ تو نہیں  
نکلتا یا کسی امر خاص کا ثبوت تو نہیں ہوتا مگر جب ہم اُن سو سائیکوں  
کے رجسٹرون اور رپورٹوں کو بغور مطالعہ کرتے ہیں جو عالم مثال کی  
تفتیش اور تحقیقات میں مصروف ہیں تو ہمیں یہ بات معلوم ہوتی  
ہے کہ انسان بحیثیت مجموعی اس وسیع اور مرکب عالم سے متصل ہے

جبکہ ہم مثال کہتے ہیں اور جسے ہم مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔  
 کبھی کبھی لوگوں کو سچے خواب نظر آتے ہیں۔ اور وہ دور و دراز  
 اشخاص اور مقاموں کو اپنے سامنے دیکھتے ہیں اور ان کی نسبت  
 صحیح خبریں دیتے ہیں۔ بعض اشخاص خواب یا مراقبہ میں دیکھ کر آئندہ  
 کے حالات کی نسبت سچی پیشین گوئیاں کرتے ہیں اور آئے ہوئے  
 خطرات اور مصائب کو کنایتاً اور اشارتاً بیان کرتے ہیں۔ بعض اشخاص  
 کو مرے ہوئے آدمی ان مقامات میں نظر آ جاتے ہیں بہانہ دہ  
 اپنی زندگی میں اکثر سکونت رکھتے تھے۔ بعض لوگ بہو توں اور  
 ارواح خبیثہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ڈرتے ہیں۔ بعض اشخاص  
 کے دماغوں میں ایسے نئے نئے اجنبی اور غیر معمولی خیالات  
 آتے ہیں جن کی وجہ سے وہ نہایت ہی مشہور و معروف آدمی ہو جاتے  
 ہیں اور لوگ انہیں ولی اور دیوتا کہنے لگتے ہیں۔ ان تمام واقعات  
 سے بخوبی ثابت ہے کہ انسان ایک بہت ہی صاحب عظمت اور  
 جامع جمیع کائنات وجود ہے حالانکہ بظاہر وہ ایک معمولی مخلوق نظر  
 آتا ہے۔ اور یہ دنیا ایک اور وسیع عالم کے اندر غرق ہے اور یہ  
 خاکی گولہ دوسرے عظیم الشان اور لطیف گولہ کے اندر موجود ہے  
 اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ انسان صرف سلوک ہی کے  
 ذریعہ سے عالم آخرت یا عالم مثال کو پہچانے بلکہ اس کے اطراف  
 و جوارب اس قدر مادی اور غیر مادی شہادتیں موجود ہیں جن کے

خطہ سے ان عالموں کا پورا یقین اسکو ہو سکتا ہے۔

مشاہدے اور تجربہ کے علاوہ تمام کتب ربانی مثلاً قرآن شریف  
قریت۔ انجیل۔ گیتا وغیرہ اور اقوال صوفیائے کرام اور تذکرات  
اہل اقدس کے سب اس بات پر بالاتفاق شاہد ہیں کہ عالم آخرت  
یا عالم مثال موجود ہے اور اسکے وجود میں کوئی شک و شبہ نہیں  
ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے **وَبِالْآخِرَةِ**  
**هُمْ يُوقِنُونَ**۔ یعنی جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایمان  
بالآخرت جزو اسلام ہے۔ جس سے کوئی شخص انکار ہی نہیں کر سکتا۔

## عالم مثال کے نامحسوس اثرات

عمر بھر ہم پر عالم مثال کے اثر پڑتے رہتے ہیں۔ مگر ہم انہیں  
بہت مشکل سے محسوس کرتے ہیں۔ ہر لحظہ دوسرے اشخاص  
کے احساس اور خیالات کا اثر ہمارے دلوں پر پڑتا ہے اور یہ احساس  
اور خیالات ہمیں اپنی طرف کھینچتے ہیں اور ہمارے دماغات میں جکیر  
کھاتے ہیں۔ اور بالآخر وہ ہم سے افعال کی صورت میں سرزد ہو  
جائے۔ مگر ہم کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ہمارے خیالات سنہیت ہیں۔ ہم  
انہیں اپنے ہی ذاتی خیالات تصور کرتے ہیں۔

اس مقام پر ہم ایک واقعہ کو پیش کرتے ہیں جو ایک صاحب  
کو جہاز کے سفر میں پیش آیا تھا۔ اس واقعہ سے اس امر کا پورا ثبوت

ہوتا ہے کہ ایک شخص کے احساس اور خیالات کا اثر دوسرے شخص پر پڑتا ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ میں جہاز پر سوار تھا۔ اور اپنے کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا کہ اتنے میں میرے دل میں دفعتاً وحشتناک احساس اور خیالات پیدا ہوئے۔ میں نے غور کیا تو کوئی وجہ ان خیالات کے پیدا ہونے کی معلوم نہیں ہوئی۔ کتاب کے مضامین میں کوئی اس قسم کی بات نہ تھی جن سے یہ گھبراہٹ کے احساس پیدا ہوتے۔ پھر میں نے اپنے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ ایک ماں گھبرا کر اپنے بچے کو بچانے کے لئے دوڑی ہے جو جہاز کے کنارہ پر چڑھ گیا تھا اور قریب تھا کہ وہ سمندر میں گر پڑے۔ اس وقت مجھے ثابت ہوا کہ اسی عورت کے پریشان خیالات اور وحشت احساس کا اثر میرے دل پر پڑا ہے اور وہ پہلے اسی کے دل میں پیدا ہوئے ہیں۔

بارہا مجھے اس بات کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہوا ہے کہ جو خیال میرے دل میں زور سے آیا ہے اس کا اثر میرے قرب و جوار کے لوگوں پر پڑا ہے۔ جب میرے دل میں عورتوں کے پردے کے متعلق زوردار خیال تھے۔ تو اس وقت حیدر آباد تو کیا تمام ہندوستان میں یہ خیال پھیل گیا تھا اور پھر اس کا اثر مصر۔ ترکی وغیرہ دور دراز ملکوں تک پہنچا تھا۔ اور جب یہ خیال میرے دل سے چلا گیا۔ تو میں نے

دیکھا کہ وہ دوسرے لوگوں کے دلوں سے بھی کم ہوتا گیا۔ اسی طرح جب میرے دل میں خدا کا خیال زوردار ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس کا اثر تمام گھر پر پڑا اور جس جلسہ اور مجلس میں میں جاتا تھا۔ وہاں بغیر میرے ذکر چھیڑے ہوئے خدا کا ذکر چھیڑ جاتا تھا۔

ان واقعات سے بخوبی ثابت ہے کہ ایک شخص کے خیالات اور احساس دوسرے لوگوں کے دلوں میں منتقل ہوتے ہیں اور ان کا اچھا اور بُرا اثر ان پر پڑتا ہے۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ اولیا اقدس کی صحبت سے انسان کو بہت فائدے پہنچتے ہیں اور وہ صبغۃ الہیہ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ جس سے زیادہ کون چھپا رنگ ہے اور اسی اصول پر ایک دلی کی پہچان یہ قرار پائی ہے کہ جب تک اسکی صحبت میں بیٹھیں اتنی دیر تک تمام دنیوی خیالات سے دل پاک صاف رہے اور دل میں خدا کا خیال خود بخود پیدا ہونے لگے۔ اگر یہ بات کسی پیر کے پاس بیٹھنے سے حاصل نہ ہو۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مصنوعی پیر ہے۔ اور اسکے دل میں خدا کی محبت نہیں بلکہ دنیا اس کے دل میں گھر کئے ہوئے ہے دنیا میں سے خیالات پیدا کرنے والے لوگ بہت ہی کم ہیں اور نیا خیال شاذ و نادر ہی کسی کے دماغ میں آتا ہے۔ عموماً لوگوں کے دلوں میں وہی خیالات آتے ہیں جو ان کے اطراف و جانب بھرے ہوئے ہیں۔ کوئی انکا ذاتی خیال نہیں۔ جب ہم کوئی خیال

پیدا کرتے ہیں تو وہ اس مجموعہ خیالات میں مل جاتا ہے جسکو بنی نوع  
 انسان نے پیدا کیا ہے۔ عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے دل اور  
 دماغ کو اعلیٰ درجہ کے خیالات میں لگائے رکھتا ہے اور اسکو  
 ایسا تربیت کرتا ہے کہ وہ پاکیزہ اور بلند خیالات ہی کو جذب کرے  
 اور نیچے اور پست خیالوں کو اپنے پاس بھٹکنے نہ دے۔ اس  
 اکتساب اور تربیت سے اس کا دل و دماغ ایک فیلڈ یا چھلنی جلابیگا  
 جو برے خیالوں کو دور کر دے گا۔ اور اچھے خیالات کو لے لیگا۔ اور  
 اس تدبیر سے اسکا دماغ دوسروں کے خیالات بد کے اثر سے  
 ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ کاملین اولیاء اللہ نے اس غایت کے حاصل  
 کرنے اور برے اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے طرح طرح کے  
 ذکر و شغل اور مراقبات بتائے ہیں جن سے بہت ہی کم اشخاص فائدہ  
 سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

## عالم مثال یا آخرت کا وجود حقیقی ہے

ہم لوگ عموماً اس مادی دنیا ہی کے کاروبار میں مستغرق ہیں اور  
 اپنی ساری بہت اور توجہ ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ رکھتے ہیں۔  
 اسلئے ہم لوگوں پر عالم مثال کا کھلنا اور ہمکو اس میں رسائی پیدا  
 کرنی بہت دشوار ہے۔ ہمارے حواس خمسہ مادی اور تعینات  
 کی بیڑیوں میں اس قدر جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ ایک دم بھی ان

دیو می زنجیرون سے رہائی نہیں پاتے۔ اس لئے ہم عالم مثال کی اشیا کو نہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس کی آوازوں کو اپنے کانوں سے سن سکتے ہیں اور نہ اسکی بو کو اپنی ناک سے سونگھ سکتے ہیں اور نہ اسکی لطیف اشیا کی سطحوں کو چھو سکتے ہیں۔ گو ہم اس حقیقی عالم کو اپنے حواس سے اور ان کے کرسکین اور اس کی لطیف چیزوں کی نازک تحریک ہمارے ہتھکے اور کثیف اعضا سے احساس تک نہ پہنچے۔ تاہم اس عالم کی واقعیت اور اصلیت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

سب کو معلوم ہے کہ مہینے کی بعض تاریخوں میں چاند دن کو دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت ہم اس کے برف جیسے دھندلے جرم پر نظر تو ڈالتے ہیں۔ مگر ہمارے دل میں یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ چاندنی اس وقت بھی موجود ہے جیسی کہ وہ گزشتہ رات کو تھی۔ اس وقت ہم دھوپ ہی کو دیکھتے ہیں جس کی تیز روشنی سے وہ چھپی ہوئی ہے۔ مگر شام کو جب آفتاب خون آلودہ شفق میں ڈوب کر ہماری نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت فوراً چاندنی دکھائی دینے لگتی ہے۔

دن میں بھی چاند کی نازک اور ٹھنڈی شعا عین ہم پر پڑتی رہتی ہیں۔ مگر ہم اس وقت انہیں دیکھتے نہیں۔

یہی حال عالم مثال کا بھی ہے۔ وہ اس وقت ہمارے اطراف و جوانب اور اندر موجود ہے اور اپنا پورا اثر ہم پر ڈال رہا ہے۔ مگر ہم اس مادی دنیا کی طرف اس قدر متوجہ ہیں کہ ہم کو وہ محسوس ہی نہیں



ہوتا۔ جب ہم اپنے دل کو دنیا کے کاروبار سے ہٹاتے ہیں اور اپنے ظاہری حواس کو بند کرنے کا فن سیکھ لیتے ہیں اور اپنے نفس کو بائین کرنے سے تھوڑی دیر کے لئے روک دیتے ہیں۔ یعنی حدیث نفس کو روکتے ہیں۔ تو اس وقت عالم مثال یا آخرت کا دروازہ کھلتا ہے اور ہم ادھر کی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس موقع پر کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ”بہتر کے پت جب کہلین جب باہر کے پت سے“ یعنی حواس ظاہری کے بند کرنے سے حواس باطنی کھلتے ہیں۔ اور عالم آخرت نظر آتا ہے۔

### سونا اور خواب دیکھنا

خوش قسمتی سے ہم اپنے گمان سے زیادہ اس عالم مثال سے واقف ہیں۔ ہم اس عالم میں جاتے ہیں اور اس کی چیزوں کو دیکھتے ہیں پھر بھی ہم اپنے دہم و خیال سے اسکے وجود کے منکر ہیں۔ جب ہم سو جاتے ہیں۔ اُس وقت ہم اپنی مثالی وجود کا جامہ پہنکر جو اسی عالم مثال کے لطیف مادے سے بنا ہے اس جسم کثیف سے باہر جاتے ہیں اور اس عالم کے مختلف مناظر کی سیر کرتے ہیں اور اس کی مجلا اشیاء کو دیکھتے ہیں۔ جو بذاتہ روشن اور نورانی ہیں۔

سالکین کے لئے یہ خواب کوئی رازِ سرستہ نہیں ہے۔ وہ اس کو

خوب سمجھتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر ہم لوگ اس بادی جسم ہی کو بذاتہ کوئی شے جانتے ہیں اور اسی کو اپنا وجود مطلق خیال کرتے ہیں اور روح کو اسکی ترکیب کی بادی کا نتیجہ جانتے ہیں اور اسکو بذاتہ قائم و دائم نہیں سمجھتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ دماغ اور دل کے وجود پر افعال روحانی اور احساس اندرونی منحصر ہیں اسلئے جب تک ہمارے یہ غلط خیالات دور نہ ہوں گے۔ جنہیں حکمائے مادیہین نے اپنی غلط فہمیوں سے پیدا کیا ہے اس وقت تک ہم عالم مثال یا خواب کو کبھی سمجھنے کے قابل نہ ہوں گے۔ گو ہزار دہی دلیلون اور خیالی تو جیہوں سے خواب کی تاویل کریں۔ مگر واقعیت اور اصلیت کے مرکز سے ضرور دور رہیں گے

مگر خواب کا مسئلہ بہت سیدھا سادہ ہے۔ جب ہمارا دماغ بے حس یا غافل ہو جاتا ہے اور ہمارے سواس ظاہری دنیا کے احساس سے معطل ہو جاتے ہیں تو ہم قالب مثالی کے ساتھ عالم غیر مری میں داخل ہوتے ہیں جو ہمارے اطراف و جوانب موجود ہے اور ہم وہاں کے سیر و تماشا دیکھتے ہیں۔ اس وقت بھی ہمارا ادراک اور آگاہی وہی ہوتی ہے جو جاگنے میں تھی یعنی روح وہی رہتی ہے۔ مگر ایک جسم لطیف کو اختیار کر لیتی ہے۔ یعنی جسم کثیف کو چھوڑ کر جسم لطیف کا جامہ بھینتی ہے۔ روح کے ان دونوں قالبوں میں البتہ فرق ہیں ہے۔

جب ہم سو جاتے ہیں اور عالم مثال میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اس وقت اس عالم مادی میں ہماری روح حیوانی اس قالب جسمانی کو قائم رکھتی ہے اور اس غیبت میں اس کے تمام سلیز یعنی ذرات اپنی غذا لیتے اور کام کی تھکاوٹ دور کرتے ہیں۔ اور جو کچھ حالت بیداری میں طاقت اور مادہ زائل ہوا تھا اسکو پھر پھیر لیتے اور تازہ کرتے ہیں۔ الغرض روح حیوانی کی تدبیر اور انتظام سے ہمارا جسم حالت غفلت میں پھر تروتازہ ہو کر کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور ہم کھوئی ہوئی طاقت اور نور کو از سر نو حاصل کرتے ہیں۔

جب ہم اس خواب غفلت سے پھر چونکتے ہیں تو تمام اعضا جسم پھر ہمارے حکم کو مستعدی کے ساتھ بجالاتے ہیں اور دیر تک کام کرنے کے بعد پھر وہاں تک جاتے ہیں اور پھر انہیں آرام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب یہاں سے یہ بات خوب واضح ہے کہ جاری رہنے کے چلنے جانے سے جبکہ ہم خواب کہتے ہیں اس جسم کشفیت کو راحت ملتی ہے۔ تو گویا جب تک ہم عالم مثال میں رہتے ہیں۔ اس وقت تک یہ جسم مادی آرام و راحت پاتا ہے

بعض اوقات جب ہم نیند سے چونکتے ہیں تو ہم اپنی سیر کو جو سوئے میں کی تھی یاد کرنے کی بہت کوشش کرتے ہیں۔ اور دلخیر بہت دیر ڈالتے ہیں کہ وہ یاد آجائے۔ مگر وہ ذہن میں نہیں آتی

اگر وہ سیر یا درہی تو ہم اسکو خواب کہتے ہیں۔ درحقیقت خواب جو ہمیں یاد رہتا ہے وہ قوت حافظہ کا ایک فعل ہے۔ کیونکہ بہت سے واقعات ہم زندگی میں دیکھ کر بھول جاتے ہیں اسی طرح سونے کی حالت میں ہم سب عالم مثال کی سیر تو ضرور کرتے ہیں۔ مگر اس سیر کے واقعات ہمیں دماغ کی کمزوری کے سبب سے یاد نہیں رہتے۔ اگر ہم اپنے دماغ کو اس طرح تربیت کریں کہ وہ عالم مثال کی سیر کو بچھنہ یاد رکھا کرے تو ہمیں وہاں کے کھیل ٹاشے اور واقعات سب کے سب یاد رہیں گے۔ اور اگر ہم اپنے ادراک یا آگاہی کو اس قدر وسیع کریں کہ وہ عالم مثال تک کی خبر لے۔ تو اس وقت یہ کہا جائے گا کہ ہم پر عالم مثال کھل گیا اور ہماری رسانی اس غیر مری عالم تک ہو گئی۔ عالم مثال کے دیکھنے کی قوت ہر شخص میں موجود ہے۔ صرف تعلیم و تربیت ہی کی ضرورت ہے جو کامل پیر کی نگرانی میں ہی حاصل ہو سکتی ہے ناقص استاد یا پیر مریدوں کے قواس دماغی اور جسمانی ہی کو برباد نہیں کرتے بلکہ ان کی اصلی قابلیت بھی خراب کر دیتے ہیں

اس زمانہ میں مرشدوں کی تو کوئی کمی نہیں۔ مگر اس بات کا دریا کر لیا وہ الناس کے لئے البتہ دشوار ہے کہ ان میں سے کتنے مرشدوں کی رسانی عالم مثال تک ہے۔



کیونکہ اس حکیم مطلق نے اصول فطرت قائم فرمائے ہیں اور وہ بڑی عقل مندی اور حکمت سے ان کی نگہ رانی کرتا اور انہیں برقرار رکھتا ہے۔

ایک مرتبہ میرا ایک لڑکا میرے پاس ایک کنول کا پہول لایا۔ وہ ابھی کھلتا جاتا تھا اور اس کے اندر کی خوبصورتی ظاہر ہونے لگی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ اس تازے پہول کو پانی میں رکھو۔ میں ہوا خوری سے واپس آتا ہوں۔ اس نادان لڑکے نے ہاتھ سے اس نیم داپہول کی پینکٹریوں کو کھول دیا اور اس کے کھلنے اور اندرونی خوبصورتی کے دیکھنے میں بہت جلدی کی۔ جب میں باہر سے گھر میں واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ پہول باوجود پانی میں رہنے کے بالکل مرجھا گیا تھا اور بعض پینکھڑیاں پڑ مردہ ہو کر گر بھی گئی تھیں۔ اگر ہم بھی اپنے قواسے دماغی یا دل پر جو کنول کے پہول کی طرح ہے۔ عالم مثال کو بزور کھولنے کے لئے حد سے زیادہ بار ڈالیں گے اور حجاب کے دور کرنے میں بہت جلدی کرینگے اور ایسے طریقوں اور اشغال کو عمل میں لائیں گے جو عقل سے بعید ہیں تو ہماری وہ دماغی قوتیں بھی اسی کنول کے پہول کی پینکھڑیوں کی طرح جو بزور کھول لایا تھا پڑ مردہ اور کمزور ہو جائیں گی جن سے ہم عالم مثال کی سیر کرتے ہیں۔ یہ کوئی عقل کی بات نہیں کہ ہم قواسے دماغی اور نازک اعصاب پر ایک بہاری بوجھ رکھ دین

جس سے وہ دبکر خراب ہو جائیں۔ ناواقبی اور غیر اصول کوشش اور سعی اور حد اعتدال سے زیادہ بار ڈالنے سے دماغ اور اعصاب کی بعض نازک ساخت بگڑ جاتی ہے اور دل اور دماغ عمر بھر کے لئے خراب ہو جاتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم عالم مثال کے بزور کہولنے میں سعی بلیغ کریں ہمیں یہ زیبا ہے کہ ہم اس عالم اور اسکے کہولنے کے طریقوں کے متعلق کتابوں اور مرشدوں سے صحیح معلومات حاصل کریں اور پہلے ان اصول اور طریقوں کو اچھی طرح سمجھ لیں جن سے عالم مثال کھل سکتا ہے اس کے بعد مجاہدے اور ریاضت شاقہ میں مصروف ہوں۔ ورنہ فائدہ کے عوض نقصان اٹھانا پڑے گا۔

اس زمانہ میں عوام الناس اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ علم تصوف اور ریاضت الہیات کی کتابوں کے پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ صرت کریا، شریعت اور مجاہدے اور ریاضت ہی سے ہم عالم آخرت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ علم تصوف کی یہ ساری کتابیں اور لیکچر بیکار ہیں اور اس حد تک کہ اس جہل مطلق کا نتیجہ یہ ہے کہ اول تو صد ہا جاہل اشخاص صرت ان لوگوں کے لئے چند تصوف کی باتیں اور بعض افکار شریعت کی طرح سیکھ کر مرشد بن بیٹھتے ہیں اور پیری مریدی کا بازار گرم کر دیتے اور لوگوں سے نذرانے لیتے ہیں۔

یہ ہے کہ وہ معمولی اخلاق اور اکتساب

اعمال صالحہ سے بھی بے بہرہ ہوتے ہیں۔ بعض پیر لوگوں سے بیعت لیکر اپنے شجرے انکے ہاتھ بڑی قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں جس سے ایک معقول آمدنی ہوتی ہے اور اس شجرے یا نسب نامہ کو یاد کرنے اور روز پڑھنے کا شغل بتاتے ہیں جس سے بھی ترضیع اوقات کے اور کچھ حاصل نہیں۔ بعض پیر جنہیں عالم مثال نہیں کہلاوہ دوسروں کو اس کے کہولنے کے عجیب و غریب ناقص طریقے بتاتے ہیں جن سے کوئی زیادہ فائدہ نہیں اور جب کوئی مرید غلبہ شوق میں انہیں حد اعتدال سے زیادہ کرنے لگتا ہے کیونکہ اکثر مریدوں کو رات دن ان اشغال کے جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی جاتی ہے تو اکثر اعضائے جسمانی میں خلل آجاتا ہے اور مرید یا یوس ہو کر ان اذکار یا اشغال کو ترک کر دیتا ہے۔ بعض لوگ اسی وجہ سے تنہکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور اکثر مختلف اویام اور ضبط میں گرفتار پائے جاتے ہیں۔ یہ سب انہیں جاہل بیرون کا طفیل ہے جو خود کسی بات کو نہ جان کر دوسروں پر عالم آخرت کہو لائیے کے نام پر

بعض جاہل بیرون نے یہ شبوہ اختیار کیا ہے کہ اعتراض یا کسی مسئلہ تصوف کے پوچھنے پر خفا ہو جاتے ہیں اور طالب کو بحف کرنے سے روک دیتے ہیں تاکہ اُن کی جہالت اور عدم واقفیت لوگوں کو معلوم نہ ہو جائے حالانکہ سب سے پہلے مرشد کامل کا فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کو مسائل تصوف کی تعلیم کوے اور انہیں ذکر شغل کے فوائد



سمجھائے۔ بعض پیر معمولی باتوں کو جو آجکل تمام اردو اور فارسی کتابوں میں درج ہیں اسرار مخفی ظاہر کر کے مریدوں کو تنہا مقام میں بتاتے ہیں اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اسرار مخفی سینہ بسینہ پہنچے ہیں انہیں کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

الغرض پیروں اور مریدوں دونوں کی عدم واقفیت سے آج کل اکثر خراب نتائج پیدا ہوتے ہیں اور لوگ عالم مثال تک ترقی کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ بان بستی کیڑے پہننے مجالس سمیع میں رقص کرنے اور دو چار اشعار کی مہل اور وہمی تاویلیں کرنے کی تو البتہ لیاقت حاصل ہو جاتی ہے جنہیں جاہل مریدین سن کر عرش عرش کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی کم دیکھا جاتا ہے کہ کہیں مستند کتب تصوف کا درس ہو اور قرآن شریف کے اسرار مہموی بیان کئے جائیں جو دراصل فلسفہ تصوف ہے۔ اس لئے ہمیں اس بات کے بیان کرنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ بغیر مطالعہ کتب تصوف اور صحبت پیر کامل کے کوئی باطنی انکشاف کا ہونا نہایت ہی دشوار ہے۔ کسی شخص کو زیبا نہیں کہ وہ عالم مثال کے کھولنے پر جھلتی ہو ساتھ زور دے اور حد سے زیادہ محنت اٹھائے جو موجب خوف و نقصان ہے۔

## خوفناک مضامین اور کتابیں

یہ مناسب نہیں کہ ہم ہر ایک ہدایت اور طریقہ اشتغال پر عمل کرنے لگیں

جو کتابوں میں درج ہیں۔ کیونکہ بہت سی چھپی ہوئی کتابیں ایسی شائع ہوتی ہیں جن کے مصنف اور مولف فن تصوف کا واقف ہیں۔ اور جن کی ہدایتیں خوف اور ضرر سے خالی نہیں۔ اس زمانہ میں بھی گزشتہ زمانہ کی طرح لوگ روحانی ترقی کی طرف اکثر مائل ہیں۔ اور عام میلان کی وجہ سے عام طور پر خواہ وہ علم تصوف سے واقف ہوں یا اس سے مطلق جاہل ہوں ایسی کتابیں طبع کر کے شائع کرتے ہیں۔ جن میں اکثر مشتبہ عبارتیں اور ناقابل اعتبار معلومات درج ہیں۔ بعض تصوف کی کتابیں تو ایسی نا سمجھی سے ترجمہ کی گئیں یا لکھی گئی ہیں کہ ان کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

مسئلہ تو کچھ ہے اور مولف یا مترجم صاحب لکھہ کچھ رہے ہیں۔ بعض کتابیں عوام الناس کو ہدایت کرنے کے لئے نہیں لکھی جاتی ہیں بلکہ روپیہ پیدا کرنے اور لوگوں کی اس خواہش کے پورا کرنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ جو ان کے دلوں میں عالم آخرت کی نسبت پیدا ہوئی ہے۔

ان کتابوں کے مصنف ان میں وہ معلومات اور اشتغال لکھتے ہیں جن سے یا تو وہ خود ہی ناواقف ہیں یا ان کے خوفناک ہونے یا لوگوں کو ضرر میں ڈالنے کی وہ ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ ان کتابوں کی اشاعت سے ان کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ ان کی کتابیں فروخت ہوں اور کچھ قلیل نفع ہاتھ آئے۔ مردہ

چاہے جنت میں جائے یا دوزخ میں انہیں اپنے حلوے مانڈے  
سے کام۔ لوگ تصوف کی کتابیں سمجھیں یا نہ سمجھیں یا غلط فہمیوں  
میں پڑیں۔ انہیں ترجمہ کرنے یا لکھنے سے غرض ہے۔

بعض اشغال اور ریاضت کتا بون میں ایسے درج ہوتے ہیں  
جو معنی اور چیرستان سے زیادہ وقعت انہیں رکھتے۔ اور بغیر استاد  
کے سمجھانے کے کوئی انہیں از خود نہیں سمجھ سکتا۔ اکثر علم تصوف  
کی عمدہ کتابیں بھی اس نقص سے خالی نہیں۔

اسکے علاوہ آجکل عربی اور فارسی زبانوں کی تعلیم اور تعلیم کار و واج  
کم ہو گیا ہے اور روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ اسلئے ضرور کہے کہ ان  
مستند کتابوں کے مطالب سہل اور سلیس اردو زبان میں بیان  
کئے جائیں جو اس زمانہ کی رائج الوقت لسان ہے۔ مگر ان کتابوں  
کے ترجمہ میں بھی اور دقیق پیش آتی ہیں جو مترجمین کی عدم  
واقفیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسلئے ہر ایک مستند کتاب کو خواہ وہ  
اردو میں ہو یا فارسی اور عربی میں کسی با عمل صوفی سے پڑھنا چاہیے  
جو عالم آخرت سے باخبر ہو اور جو ان کتابوں کے مطلب کو بخوبی  
ذہن نشین کر سکے۔ اس تدبیر سے لوگ جو اس راہ میں قدم  
رکھنا چاہتے ہیں اس کی دشوار گزار گھاٹیوں اور مضرت رسان  
سدر راہوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

جب کوئی آتش بازی کا گولہ لٹاتا چاہتا ہے۔ تو پہلے اس کے

خوفناک مصالحہ اور اجزاء سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ اور بہت کم کوئی نادان آدمی ایسا ملے گا جو باروت اور پھٹنے والی اشیا کو بغیر جانے بوجھے ترکیب دیتے لگے۔ عقل مند آدمی سب سے پہلے جو کچھ مستند کتابیں اس مصنوع میں لکھی گئی ہیں انہیں بغور مطالعہ کرے گا اور یہ دیکھے گا کہ اس بارہ میں کون مستند مصنف ہر جسکی تصنیفات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ وہ کبھی اندھا دہند اس خوفناک اشیا کو ہاتھ نہ لگائے گا۔ مگر اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ لوگ عام پیروں کے ہاتھ پر محض شہرت خاندانی کی وجہ سے بغیر سوچے سمجھے کیوں بیعت کر لیتے ہیں اور وہ یہ نہیں دریافت کرتے کہ آیا اسکو بھی کوئی ذاتی علم اور تجربہ حاصل ہے۔ یا نہیں اس بارے میں وہ نہ تو کسی واقف کار سے اسے لیتے ہیں اور نہ کسی علمی کتاب سے مدد طلب کرتے ہیں۔ قبل کے کہ انہیں نقیصت کے سیدھے سادے مسئلے معلوم ہوں۔ وہ عالم مثال کے کہو لئے اور اس پیچیدہ اور پر خوف گہائی کو طے کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں اور اپنی رائے اور دہم پر پورا وثوق رکھتے ہیں۔ بجز عدم واقفیت اور جہالت کے اس نادانی اور خود رانی کا اور کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ یہی سبب ہے کہ ان ملکوں میں اکثر اشخاص محبوظ اور محزون پائے جاتے ہیں جنہیں لوگ نا فہمی سے مجازیب کہتے ہیں۔ حالانکہ غلط اکتساب اور ناقص معلومات سے ان کے قوائے دفاعی میں فتور

پیدا ہو گیا ہے۔

## عقل سلیم اور عام فہمی سو کام لینا چاہئے

عالم مثال کے کاروبار میں بھی ہمیں اپنی عقل اور فہم سے کام لینا چاہیئے جس سے ہم دینی معاملات میں کام لیا کرتے ہیں۔ عالم مثال کے کسی واقعہ کو اسی طرح عقل و فہم سے سمجھنا چاہیئے اور اس کو اسی طرح فہم و فراست سے جانچنا چاہیئے جیسے کہ ہم ایک خط کو مضمون یا ایک مقدمہ عدالتی کو جانچتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم ان واقعات غیبی میں خوش اعتقاد می اور بے عقلی کے تابع ہوں اور جو کچھ ہم دیکھیں اس کی صداقت پر عزت و تعظیم سے سر جھکا دیں۔ برخلاف اس کے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے عالم مثال کے تجربہ اور مشاہدے کی اچھی طرح جانچ اور پرتال کریں اور جو کچھ تو اسے عقلی خدا نے ہمیں دے ہیں ان سے یہاں بھی پورے طور سے کام لیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ بہت سے فہمیدہ اشخاص اس کٹھن راہ میں دہم و خیال میں پڑ کر خراب اور تباہ ہوئے ہیں اور ان کی سمجھ بوجھ اور ذہانت اور مشانت اور قوت فکر بگڑ گئی ہے۔ وہ اپنے معمولی خواب کو ایک عجیب و غریب واقعہ خیال کرنے لگے ہیں اور اپنے ہی دہم و خیال کی کارروائیوں کو سفیاطین اور جنات

کے اثرات تصور کرنے لگے ہیں۔ وہ انتہا درجہ کے دہمی اور خیالی آدمی ہو گئے ہیں اور بات بات میں ارواحِ فبیث اور جادو بٹنوں سے ڈرنے لگے ہیں اور اپنے ذہن میں یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ اولیاءِ اقدس یا رسولوں کی ارواح انہیں تعلیم دیتی ہیں اور دہمی اور خیالی آوازوں کو وہ فرشتوں کی آوازیں سمجھتے ہیں۔ ایسے بگڑے ہوئے سالکین کو از سر نو راہ پر لانے کے لئے ایک عرصہ دراز کی ضرورت ہوتی ہے اور مرشدِ کامل ہی انہیں دوبارہ راہِ راست پر لاسکتا ہے اور انہیں یہ باور کراسکتا ہے کہ اپنی لیاقت سے زیادہ اپنے آپ کو تصور نہیں کرنا چاہیئے۔

### من عرف نفسه فقط عرف ربہ

خوشنمائی اور خدا شناسی کے بہت سے طریقے اور عمل موجود ہیں ان میں سے بعض تو معقول اور بعض نامعقول ہیں۔ یعنی اکثر فضول اور بے نتیجہ ہیں۔ جو شخص اپنی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اس پر فرض ہے کہ وہ اس نصیحت پر عمل کرے جو سقراط حکیم نے اپنے شاگردوں کو دی تھی۔ اور جو ایک یونانی مندر کے دروازہ پر کندہ ہے جسکو ذیلیقی کہتے ہیں۔ وہ نصیحت یہ ہے کہ ”اے انسان تو آپکو پہچان“

اس بات کو قرآن شریف میں بھی جا بجا بیان فرمایا گیا ہے

چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے کہ **وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفْئِدَةٌ مِّمَّا تُكْمِلُونَ** اور  
 تم اپنے آپ میں کہیں نہیں دیکھتے۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ خود شناسی  
 سے خدا شناسی حاصل ہوتی ہے۔

مگر خود شناسی کوئی سہل بات نہیں۔ اس کے لئے رعون کی  
 محنت اور ریاضت درکار ہے، تو ان آدمی جب دل کو دنیاوی افکار  
 سے خالی کر کے تنہائی میں بیٹھتا اور مراقبہ کرتا ہے، تب اسکو کبھی  
 خود شناسی حاصل ہوتی ہے۔ جب کوئی خدا کی راہ میں بے غرض  
 مخلوق کی کوئی خدمت اختیار کرتا ہے اور اس کو اپنا فرض منقسمی  
 جان کر بسوں انجام دیتا ہے تو اس وقت اس کو اپنی مقصد کے  
 حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جب ہم دوسروں کی  
 خدمت اور بے غرض خدمت کرتے اور انہیں فائدے پہنچاتے  
 ہیں۔ تو اس وقت ہمارے دل میں نور حق پیدا ہوتا ہے اور ہماری  
 اندرونی قوتیں ترقی کرتی ہیں۔ انسان کی فطرت بہت گہری ہے جسکا  
 امتحان ہم نے کبھی نہیں کیا۔ اس کی قوتیں پوشیدہ اور مخفی ہیں۔  
 جن سے ہم ناواقف ہیں۔ اسکے واسطے روحانی اور نفسانی کا دائرہ  
 بہت ہی وسیع ہے جسکا ہمیں کافی ادراک نہیں۔ ہم ایسے مدارج  
 اور عالموں تک ترقی کر سکتے ہیں جن کے وجود کا علم بھی ہمکو نہیں  
 گوارا۔ انسان خود شناسی کے حصول میں عاجز ہیں۔ مگر سالکین راہ خدا  
 خود شناسی کی تمام منزلوں کو طے کرتے ہیں اور زندگی کے اعلیٰ

اسٹلے مقصود تک پہنچنے پر جس شخص کو یہ درجے پہنچاؤ و سناسی ہاتھ  
 آیا جو اس دنیا میں بار بار اُس نے جانے کا مال کار یا آخری نتیجہ ہے تو اسکو  
 مقصود مہیا ہوا حاصل ہوا اور وہ سعادت دینوی و اخروی کے عروج  
 یعنی معراجِ رفعت کے آخری مقام پر پہنچ گیا۔

## قبل از وقت عالم مثال کا کھلنا

عوالمِ اناس پہ عالم مثال جو نہیں کہلا ہے تو اس میں بھی خداوند تعالیٰ کی  
 بڑی حکمت ہے۔ اگر کسی دنیا دار آدمی پر دفعتاً عالم مثال کھول دیا جائے  
 اور اس عالم کے قوی اثرات اس کے ضعیف دل پر ایکبارگی پڑنے لگیں  
 تو یہ آدمی کسی کام کا شہسہ گا اور اسکی قیمتی زندگی خراب ہو جائے گی۔  
 حق تعالیٰ حکیم اور قہر مند ہے۔ اگر اس کے احکام اور قوانین قدرت کی پیروی  
 کی جائے گی تو وہ ہرکو اس عالم میں اُس وقت داخل ہونے کی اجازت  
 نہ دیگا۔ جب تک ہم اس عالم کے اثرات اور کششوں کے برداشت و  
 تحمل کی پوری قابلیت نہ رکھیں گے۔ قابلیت پیدا ہونے سے پہلے  
 عالم مثال کے کھلنے کی خواہش کرنی خوف و مصرت سے خالی نہیں  
 اگر کوئی شخص کسی ناواقف پیر کی راے سے عالم مثال کو بزور اور قلاب  
 سے پہلے کھولنے اور اس میں داخل ہونے کی حد اعتدال سے زیادہ  
 سعی و کوشش کرے گا تو ضرور اپنی موجودہ زندگی کو خراب کرے گا اور  
 کئی قسم کی آفتوں اور سوز و المزاجی میں گرفتار ہو جائے گا۔



پہلے ہمیں اس عالم ناسوت یا مادی دنیا کے فضائل یعنی بہت جرات  
 قوت، ماضی یا ارادہ، بے غرضی، پاک نفسی، دانائی یا حکمت، محبت  
 یا عشق وغیرہ تو حاصل کر لینے چاہیے۔ تب عالم مثال میں پہنچنے کی خواہش  
 کرنی چاہیے۔ ابھی تو اس عالم کی یہ خوبیاں ہی حاصل نہیں ہوئیں کہ  
 ہم سیرِ طریقی کے آخری مقام کی کوشش کرنے لگے۔ **مصرع**  
 تو کارزمین را نیکو ساختی کہ بر آسمان نیز پردا نحتی

عالم ناسوت کی سیر سے تو فراغت ہی نہیں ہوئی کہ عالم مثال کی طرف  
 دوڑے۔ وہاں جا کر کس بات کو تحقیق کریں گے جبکہ اس عالم ہی سے  
 بالفعل جاہل ہیں جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان پر بہت جلد عالم مثال کھلی جائے  
 تو ان کی حالت اس سیاح کی سی ہے جو بغیر زادراہ اور ضروری سامان  
 کے افریقہ کے مقامات وسطیٰ میں گھس جائے۔ جہاں سوارِ پاکستان اور  
 مردمِ خوار اقوام کے اور کچھ ہنر اپنی اس عجلت کا مضمر نتیجہ اس وقت  
 معلوم ہو گا جب چاروں طرف سے وحشی آدمی اس پر حملے کریں گے  
 اور وہ ان کی زد کو بچانے لگے گا۔ اس سفر اور سیاحت سے تو یہی بہتر تھا  
 کہ وہ اپنے گھر میں آرام سے پڑا رہتا۔ اور اپنی موجودہ قوتوں اور  
 اعضا ہی سے فائدہ اٹھاتا۔ اگر ہم نفس کشی، صفائی قلب اور اکتساب  
 فضائل ہی کی طرف متوجہ رہیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ہم قابلیت اور  
 تیاری کے پہلے عالم مثال میں داخل ہونے کی سعی یلغ کریں۔ اور  
 پھر اس محنت اور کوشش میں ناکام رہیں۔

## عالم مثال کے اثرات

عالم مثال کے خطرات اور پر خوت اثرات میں سے یہ بھی ہے کہ ایک ناقابل اور نا اہل شخص پر جب عالم مثال کھل جاتا ہے تو اکثر ارواح خبیثہ جو مرنے کے بعد طبقات اسفل میں ہیں اوپر چلے کرتی ہیں اور اپنے مختلف اثرات ڈالتی ہیں۔ یہ بجا رہ اس وقت ان کے برے اثرات سے اپنے آپکو بچا نہیں سکتا۔ دنیا میں تو ہم پولس اور عدالت کے ذریعہ سے کسی مجرم سخت کی مضرتوں سے بچ سکتے ہیں اور اس کی ایذا رسانی سے مجلکہ یا محبس کے توسط سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ مگر ان مجرمین ارواح کی زد سے بچنا سخت دشوار ہے جو مرنے کے بعد اگر کما حقہ جہنم پر اور بھی دلیر ہو جاتی ہیں اندر جو ہم سے دور و دراز مقاموں پر موت کی وجہ سے چلی نہیں جاتیں۔ جو اشخاص اس زندگی میں نیک اور پرہیزگار ہیں وہ مرنے کے بعد عالم مثال کے اعلیٰ طبقوں میں رہتے ہیں۔ مگر بدکار اور گنہگاروں کی روحیں اس غیر مری عالم کے اسفل طبقات میں جو اس زمین کے متصل ہیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ شراب خوار بد معاش۔ چور اچکے۔ قاتل۔ ڈاکو وغیرہ مجرمین کی ارواح خبیثہ انہیں مقامات میں چکر کاٹتی پھرتی ہیں اور ان بدکاروں اور ناباک لوگوں کے اجسام میں داخل ہوتی ہیں جو دنیا میں بتلا سے افعال بہین وہ ان مجرمین کے اندر گھس کر انہیں جہنم پر اور بھی دلیر کر دیتی ہیں۔

اور انہیں ہر ایک بد انفعالی کے ارتحباب کی تحریص اور ترغیب دیتی ہیں۔ جن اشخاص پر قبل از وقت عالم مثال کھل جاتا ہے وہ ان ارواح خبیثہ کے اثرات کے اندر آ جاتے ہیں اور چونکہ ان میں اپنے بچانے کی پوری قوت نہیں ہوتی اس لئے وہ ان اثرات سے موثر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ عالم مثال کا کھلنا عبوض فائدہ کے انہیں سخت نقصان اور خوف میں ڈالتا ہے۔ مرشدوں کو چاہیے کہ سالکین کی استعداد اور قابلیت کے بموجب انہیں تعلیم دین ورنہ عالم مثال کے جلد کھلنے میں سخت خطرہ ہے۔

دوسری وجہ اسکی کہ کیون خداوند تعالیٰ نے عوام الناس میں عالم مثال کے ملاحظہ کی نظر نہیں دی یہ جو کہ ہمارے اطراف و جوانب ایسی ایک مخلوق موجود ہے جو ہم سے خلقت میں ناقص ہے اور جبکہ ہم جن کہتے ہیں۔ یہ ادنیٰ درجہ کے مخلوق عموماً انسان کے دشمن اور مخالفت ہیں۔ یہ جن بھی عالم مثال کے اسفل طبقات میں رہتے ہیں اور وہ اس وقت تک کسی شخص کو نہیں ستاتے جب تک کوئی شخص کسی نہ کسی حیثیت اور حالت سے ان کے قریب نہ ہو۔ اگر کوئی ناقابل شخص عالم مثال کے کہو لئے میں بے اعتدالی اور جلدی کرے گا تو ضرور اسکو اس ادنیٰ درجہ کے مخلوقات سے سابقہ ہوگا اور وہ ان کی مضر نون سے نقصان اٹھائے گا۔

ہمین یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جب ہم عالم مثال کھلنا چاہتے ہیں تو

ہمارے احساس باطنی بہت تیز ہو جاتے ہیں اور ہم اُن خیالات -  
 احساس اور پر جوش خطرات سے آگاہ ہو جاتے ہیں جو ہمارے اطراف  
 عالم مثال میں موجود ہیں۔ واقعی ہم خیالات اور احساس کے اس دریا  
 عمیق میں عرق ہیں جنہیں ایک شہر یا مقام کے اشخاص ہر آن اپنے  
 دماغوں اور دلوں سے پیدا کیا کرتے ہیں اور ان خیالات کا اثر ہم پر پڑتا  
 تو رہتا ہے۔ مگر ہم ان اثرات سے واقف نہیں۔ لیکن جب عالم مثال  
 ہم پر کھلنے لگتا ہے تو ان خیالات کا اثر بھی محسوس ہوتا جاتا ہے۔ اس  
 وقت اگر ہماری قوت ارادی قومی نہ ہوگی اور ہم نفس کشی اور تقوے و  
 طہارت سے اپنے دل کو پاک و صاف نہ رکھیں گے۔ تو ان خیالات  
 اور احساس بد کے اثرات سے زیادہ تر متاثر ہونگے اور سمجھان کے  
 قابو میں آکر نقصان اُٹھائیں گے کیونکہ شہروں اور قصبوں کے اکثر  
 اشخاص حریص۔ خود غرض۔ بے ایمان۔ جھوٹے ناخدا شناس  
 بدلا لینے والے حاسد وغیرہ ہوتے ہیں اور ان ناپاک خیالات کا سمندر  
 ہمارے اطراف موجود ہوتا ہے۔ تو ایسی صورت میں جبکہ ہم پر عالم مثال  
 کھلتا ہے یہی نجس خیالات مختلف شکلوں اور رنگوں میں ہمیں دکھائی  
 دیتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عمدہ خیالات اور خوب صورت  
 اشکال ہمارے سامنے آئیں کیونکہ بے غرض محبت اور فائدہ رسانی دنیا  
 میں کیا ہے۔

## حفاظت کرنیوالا پردہ

ساکلین نے ایک حجاب دریافت کیا ہے جسکی وجہ سے انسان اُن آفتوں سے محفوظ رہتا ہے جو عالم مثال کے بے وقت کھلنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ پردہ سید ہا سادہا مگر بہت ہی نتیجہ خیز ہے۔

علم برق کے ماہرون کو تجربہ اور مشاہدے سے معلوم ہو چکا ہے کہ جب اُن دو تاروں کے سروں پر موم لگا دیا جاتا ہے جن میں برق بھری گئی ہے۔ تو پھر اُن تاروں کے سروں کے ملا دینے سے برق کا شعلہ پیدا نہیں ہوتا مگر جب ان سروں کا موم دور کر دیا جاتا ہے یا کم از کم ان میں ایک سوراخ ہی کر دیا جاتا ہے تو فوراً آگ کا شرارہ (جنگاری) کھلنے لگتا ہے۔

قوت برق کی طرح انسان کے اندر بھی اس قوت یا اعضا سے مثالی کی حفاظت کی گئی ہے جس سے ساکلین پر عالم مثال کا انکشاف ہوتا ہے انسان کے اس جسم کثیف اور لطیف یعنی ایٹمک مین کئی مرکز موجود ہیں جو عالم مثال کے اتصال رکھتے ہیں۔ یہ مرکز کچھ اس طرح پر ترتیب دئے گئے ہیں کہ ایک مثالی مرکز ایک جسمانی یا ایٹمک مرکز سے چپان یا متصل ہے۔ جب مثالی مرکز کا پورا اثر جسمانی مرکز پر پڑتا ہے اور آخر الذکر اول الذکر کے تابع ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت آدمی کو عالم مثال محل جاتا ہے۔ بعض اوقات خاص امراض کی

تکالیف حاصل مخصوص صدمات اور ذکر و شغل میں نہایت ہی اہمک کے سبب سے بھی عالم مثال دفعتاً کھل جاتا ہے جسکو قبل از وقت کہہ سکتے ہیں۔

مگر خداوند تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے ان مثالی اور جسمانی مرکزون کے درمیان میں ایک نہایت ہی باریک اور نازک پردہ قائم کیا ہے۔ جو ایک عالم کے اثرات کو دوسرے عالم میں دفعتاً پہنچنے میں سد راہ ہے اور اس پردے میں سے صرف قوت جان جسکو دایمل فورس کہتے ہیں گزر سکتی ہے اور دوسری قوتیں یا فورس گزر نہیں سکتیں جیسے کہ شیشہ میں سے صرف شعاعیں ہی گزرتی ہیں اور دوسرے اثرات مثلاً گرمی و سردی وغیرہ نہیں گزر سکتیں اگرچہ حجاب جو مثالی اور جسمانی مرکزون کے مابین حائل ہے دور کر دیا جائے تو ہر شخص پر عالم مثال کھل سکتا ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ کی حکمت اور مہربانی ہے کہ عوام الناس سے یہ حجاب دور نہیں کئے جاتے جو اس عالم کے دیکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔

مگر بدقسمتی سے یورپ اور امریکہ میں بعض ایسے طریقہ رائج ہیں جن سے عالم مثال بہت جلد کھل جاتا ہے۔ اور وہ ان چونکہ مرشد کامل کا قحط ہے اسلئے اکثر سالکین مجنوں اور مجنون ہو جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج کل ان ملکوں میں پاگلوں کی تعداد روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے ہندوستان میں علم باطن کا اکتساب ہزاروں برس سے چلا

آ رہا ہے۔ اور باطنی علوم کے صد ہا مرکز یا مقامات جیسے خانقاہین  
مندر بت اور ہالیہ کی چوٹیاں وغیرہ اب تک موجود ہیں جہاں بیٹھ کر  
سالکین راہ طریقت حاصل کرتے ہیں۔ ہند میں علم باطن کی ترقی  
اس درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ اب اسکو ایک مکمل اور باضابطہ علم یا سائنس  
کہا جاسکتا ہے۔ علم باطنی اور علی الخصوص عالم مثال کے استحصا  
ل کے جو طریقے یورپ اور امریکہ میں آجکل رائج ہیں وہ ہرگز خوف و  
مضرت سے خالی نہیں۔

ہندوستان کے صوفیائے کرام اور مہاتما کبھی ان طریقوں کو پسند  
نہیں فرماتے کیونکہ وہ علم باطن کو ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی  
منفید اور کار آمد چیز جانتے ہیں اور وہ یورپ اور امریکہ کے اشخاص  
کی طرح اُسے ایک تفریح اور کھیل تماشے کی شے خیال نہیں کرتے۔  
اہل ہند کا خیال یہ ہے کہ یہی علم باطن لائق اشخاص کو بتانے سے  
دنیا کو فائدہ کثیر حاصل ہوتے ہیں اور برخلاف اسکے نالائق اور بد باطن  
اشخاص کو جب یہی اسرار باطنی تعلیم کئے جاتے ہیں تو دنیا کو بہت  
نقصان اور مضرت پہنچتی ہے۔

جو بچے صوفی اور سچے مہاتما ہیں وہ خود غرض اور نفس پرست  
اشخاص کو اسرار باطنی تعلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ  
بچے کے ہاتھ میں تلوار دیدنیا کس قدر خطرناک ہے وہ اس جانگزا  
آلہ سے صرف دوسروں ہی کو نقصان نہ پہنچائے گا بلکہ اپنے آپکو

کبھی ہلاک کر لیتا۔ نالایق اشخاص کو اسرار مخفی کی تعلیم سے بہت بڑا نقصان  
 یہ عاید ہوتا ہے کہ وہ بیجا طور پر باطنی قوتوں سے کام لیتے ہیں جبکہ  
 نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صد ہا سال تک ان کی رفتار ترقی روحانی میں خلل  
 آ جاتا ہے۔ اور بجا سے ترقی کے وہ غار پسہ میں گرا دئے جاتے  
 ہیں۔ اگر کسی لایق اور بھڑکے کار مرشد سے باضابطہ اور باقاعدہ راہ سلوک  
 کا طریقہ عملی طور سے سیکھا جائے تو اس میں ذرا بھی کوئی خوف و خطر  
 نہیں۔ مگر مرید کو چاہیے کہ قرآن مجید کے اس فقرے کو ہر دم پیش نظر  
 رکھے کہ لا بظوا و صابروا یعنی خداوند تعالیٰ کو ساتھ رہنا پیدا کرتے  
 جاؤ اور صبر کرو اور اس کی رحمت اور فضل کا امیدوار رہو اور بے غمی  
 اور محنت کو اپنا شعار بنائے۔

## فصل ۳۔ علم اشراق و دوسروں کو ساتھ باطنی اسات

زندہ دن کے ساتھ باطنی تار برقی یعنی روشن ضمیری

جو خیالات یا حضرات ہمارے دل میں گزرتے ہیں وہ درحقیقت غیر مری  
 دنیا کے مراسلات ہیں۔ یہ خیالات خواہ بذاتہ ہمارے ہوں یا دوسروں  
 کے سب عالم شال کی تار برقیان ہیں۔ کیونکہ خیالات اور احساس  
 اسی عالم میں پیدا ہوتے ہیں۔ جبرج بے تار یا وائریس ٹیلیگراف



کا متوج چاروں طرف جاتا ہے یا ایک سمندر کی موجیں ہر طرف پھیلتی ہیں۔ اسی طرح زوردار قلبی متوج بھی ہمارے چاروں طرف فضا میں موجیں مار رہا ہے۔ جو کچھ خیالات اور احساس ہمارے اس مادی عقل و دماغ میں آتے ہیں وہ انہیں موجوں کے حقیقی اثرات ہیں جو دماغ تک پہنچنے میں بہت ہلکے پڑ جاتے ہیں گویا کہ عالم ملکوت سے جو تار برقی کا صدا اسٹیشن سے ہمارے دماغ تک ہر آن تار برقیان پہنچا کرتی ہیں۔

ہر دماغ ایک ریڈیو ننگ (تار لینے والی) اسٹیشن ہے جہاں عالم ملکوت کی تار برقیان وصول کی جاتی ہیں۔ اس بات سے تو بعض شخص خاص بخوبی واقف ہیں کہ ایک دل کے خیالات اور احساس دوسرے دل میں منتقل ہو سکتے ہیں مگر شاید اس کو بہت ہی کم لوگ جانتے ہوں کہ جو خیالات ہمارے دل میں گزرتے ہیں ان میں سے اکثر دوسروں کے پر جوش خیالات ہیں۔ اس بات کی تمیز بڑی مشکل ہے کہ ہمارے خاص اور ذاتی خیال کون ہیں۔ اور دوسروں کے کون ہیں ہمارے اطراف و جوانب کے اشخاص یا ایک شہر کے جم غفیر عوام الناس کے دلوں سے متواتر ہمارے دل میں باطنی تار برقی کے ذریعے سے خیالات اور احساس آیا کرتے ہیں۔ مگر ہم ان خیالات کے اثرات سے جو ہمارے چاروں طرف سے ہم پر پڑ رہے ہیں ہم اسی طرح سے ناواقف ہیں جس طرح کہ کرہ ہوا کے دباؤ سے ناواقف ہیں جو ہمارے چاروں

طرف سے ہم پر پڑ رہا ہے۔ چونکہ ایک شہر کے باشندوں کی رايون خيالات اور احساس کا اثر ہر دم باہم ایک دوسرے پر پڑ رہا ہے۔ اس سے ہر شہر اور ہر قوم کے خيالات اور احساس ایک خاص قسم کے ہوتے ہيں۔ اگرچہ ان خيالات اور احساس کے اثرات سے لوگوں کو واقفيت تو نہيں۔ مگر ان کے زور دار ہونے ميں بھی کيکو کوئی کلام نہيں ہو سکتا۔ کوئی شخص رو سے زمين پر ایسا نہيں ہے۔ جو مقامی خيالات اور احساس کے اثرات سے بالکل محفوظ رہے۔ اور کچھ نہ کچھ اس کے دل ميں دوسروں کے خيالات منتقل نہ ہوں۔ انتقال خيالات اور احساس کے ثبوت تو دنيا ميں ہر وقت موجود ہيں۔ مگر ہم یہاں بعض مثالوں کو بيان کر دينا مناسب جانتے ہيں۔ ناٹک ميں جب کوئی اچھا کھيل کيا جاتا ہے تو تمام تماشاہ بين ايكدم سے تعريفون کے نعرے بلند کرتے ہيں اور چارون طرف خوشی کا جوش پھيل جاتا ہے۔ فٹ بال۔ کرکٹ۔ پولو۔ ٹورنمنٹون ميں عام جوش حرے اور چيزر کی شکون ميں نمودار ہوتا ہے۔ مجالس نعمہ و سرود ميں لوگوں کے سرور واہ واہ سے ظاہر ہوتے ہيں۔ ايك کتاب پر جب اچھی رائے ظاہر کي جاتی ہے تو عام لوگوں کے دلون ميں اسکی وقعت اور حميدارمی کی خواہش پيدا ہوتی ہے۔ ايك مصور کی تصوير شارع عام پر دکھانے کی غرض سے رکھی جاتی ہے اُسکے ديکنے کے لئے جوق جوق زن و مرد جمع ہو جاتے ہيں۔ ماتم اور عزا

کی مجلس میں عام ٹپس پڑ جاتی ہے اور رونے کی آواز میں بلسہ ہوتی ہیں۔ ڈنر یا دعوت میں جب کوئی نامتی لباس پہنکر یا کالا بازو بندہ باندھ کر آتا ہے تو سب کے دلون میں غمگین خیالات اور احساس پیدا ہو جاتے ہیں۔ جنازے کے ساتھ جتنے آدمی ہوتے ہیں ان سب کے دلون میں معنوم خیالات اور احساس پائے جاتے ہیں جب کوئی عضوہ در ہمارے قریب ہوتا ہے تو ہمارے دلون میں بھی وحشت ناک خطرات گزرتے ہیں۔ ان تمام مواقع پر فی الواقع ہمارے دلون میں دوسروں کے خیالات اور احساس منتقل ہوتے ہیں۔ اور ہم بھی ان سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ باطنی تار برقی کی یہ بین مثالین ہیں جن کی تکذیب کی کوئی بھی جرات نہیں کر سکتا۔

### انتقال خیالات احساس سے بچنے کی معقول تدبیر

یہ بات تو بخوبی سمجھ میں آگئی کہ اکثر ہماری خوشی اور رنج دوسرے اشخاص کی خوشی اور رنج کے پر تو یا عکس ہیں جو ہمارے اطراف و جواب موجود ہیں یا جن کی صحبتوں میں ہم دن رات اُٹھتے بیٹھتے ہیں یا جن سے ہمیں گہرا تعلق ہے۔ تو اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان واہی خیالات اور تخلیفات دہ احساس سے کیوں کر نجات پاسکتے ہیں اس سوال کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ ان غمگین احساس اور خیالات کا دور کرنا کوئی بڑی مشکل بات نہیں۔ جب وہ

تمہارے دل میں گزریں تو تم انہیں دور کر دیا کرو۔ اور اپنے دل میں یہ کہا کرو :- یہ ہمارے خیالات اور احساس نہیں ہیں۔ ہمیں کوئی وجہ نہیں کہ ہم ناخوش اور رنجیدہ ہوں ہم کو نہیں چاہیے کہ ہم ان خیالات کو اپنے اوپر قابو دیں۔ چلے جاؤ ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارے اندر خدا کا نور ہے جو سرور اور خوشی کا پرتو ڈالتا ہے۔ ہم محبت اور خدا کی شناخت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

بڑے خیالات اور تکلیف دہ احساس کے دور کرنے کا سب سے سہل طریقہ یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں غم اور غصہ کے خیالات اور احساس پیدا ہوں تو اسکو چاہیے کہ دل میں خدا کا ذکر کرے یا نماز پر کھڑا ہو جائے یا تسبیح پھیرے۔ بزرگانِ دین نے دسواس اور خطرات سے بچنے کے لئے بعض اشغال اور اذکار تراشے ہیں جو دلوں کو بڑے خیالات سے محفوظ رکھتے ہیں اگر کوئی شخص اپنی دل ان عام ناپاک خیالات سے بچانا چاہتا ہے جن کو سمندر میں وہ ڈوبا ہوا ہے تو اسکو چاہیے کہ کسی مرشد سے ذکر اور شغل کا طریقہ یا مراقبہ سیکھ لے اور تیرہدین تباہی سے وہ ان باطنی آفات سے محفوظ ہو جائیگا جو ہمارے دل پر ہم جلی کی طرح گرائی ہیں۔

مردوں کے ساتھ باطنی مراسلت باہمی گفتگو

جس طرح زندوں کے خیالات اور احساس ہمارے دلوں میں منتقل ہوتے

ہیں۔ اسی طرح مردوں کے خیالات اور احساس بھی ہمارے دلوں میں آتے ہیں کیونکہ قالبِ عسری یا جہانی کے چلے جانے سے دل میں کوئی نقص نہیں آتا۔ اور مرے ہوئے کا دل ویسا ہی قائم رہتا ہے۔ دل سے مراد وہ گوشت کا لوتھڑا نہیں ہے جو بائیں جانب متحرک معلوم ہوتا ہے بلکہ دل سے مراد وہ لطیفہ ربانی ہے جو سوچتا اور سمجھتا ہے یعنی مردوں کے سوچنے سمجھنے اور ادراک کرنے کی قوتوں میں مرنے سے کوئی فتور پیدا نہیں ہوتا۔

اگر ہم اس مسئلہ کو بخوبی سمجھنا چاہتے ہیں کہ مردوں کے ساتھ بھی ہماری باطنی مراسلت قائم ہوئی ہے تو پہلے ہمیں اس بات کو یاد رکھ لینا چاہیے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو وہ ہم سے دفعتاً جدا نہیں ہوتا۔ یعنی مرد سے ایک مدت تک اپنے دوستوں اور احباب سے قطع تعلق نہیں کرتے۔

اگرچہ ہم اس کو ان اپنی ظاہر آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ کیونکہ جو عالم میں وہ مرنے کے بعد ہوتا ہے اس کا مادہ اس قدر لطیف ہے کہ اس پر آفتاب کی شعاع پڑ کر ہم تک نہیں آتیں تاہم وہ مردہ ہمیں اچھی طرح سے مرنے کے چھ عرصہ بعد تک دیکھتا ہے اور یہ عرصہ جب تک وہ ہم کو دیکھ سکتا ہے تخمیناً کئی سال کا ہوتا ہے۔ یعنی اس وقت تک وہ ہمیں دیکھتا اور ہماری باتیں سنتا رہتا ہے جب تک کہ وہ عالمِ مثال میں رہتا ہے۔ جب وہ اس

عالم سے اوپر چلا جاتا ہے یعنی جب عالم اوداع میں پہنچتا ہے۔  
تو یہ تعلقات قطع ہو جاتے ہیں۔ مگر مرنے کے بعد وہ ایک زمانہ  
تک ہمارے رنج و خوشی اور بہو دی اور بٹا ہی سے دلچسپی رکھتا  
ہے۔ اور ہمارا شریک حال رہتا ہے۔ جیسا کہ وہ مرنے کے پہلے  
رہ چکا ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہم رات کو ہر روز جبکہ ہم سو  
جاتے ہیں اپنے مرے ہوئے دوستوں سے اسی طرح تبادلہ خیالات  
کرتے ہیں جیسے کہ ہم حالت زندگی میں ان سے کیا کرتے تھے۔  
بلکہ جاگنے کی حالت میں بھی ہمارے محبت آمیز خیالات ان تک  
پہنچتے ہیں اور انکے خیالات اور احساس ہمارے دلون تک آتے  
ہیں۔ جیسے کہ ہمارے پڑوسیوں اور گھر والوں کے خیالات ہمارے  
دل میں منتقل ہوتے ہیں ویسے ہی مردوں کے خیالات اور احساس  
بھی ہمارے دلون میں آیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اکثر خیالات  
عالم مثال سے ہمارے دلون میں پہنچتے رہتے ہیں اور وہ ان کے  
لوگوں سے باطنی مراسلت اور گفتگو قائم ہے۔ مگر ہم اس سچی بات سے  
محض ناواقف ہیں۔

## الہام واردات اور القا

بعض اوقات ایک پر جوش مقرر ایک جلسہ میں تقریر کرتا ہے جہاں بہت

گوش سامعین جمع ہوتے ہیں۔ اور اپنی جاود بیانی سے اہل مجلس پر اثر ڈالنے کی سخت کوشش کرتا ہے۔ اسوقت اس کا یہ دلی جوش خروش کبھی کبھی ایک نہایت ہی لائق شخص کے خیالات کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جو ایک گوشہ دین میٹھا ہوا اسی مضمون کو سوچ رہا ہے جبکو یہ مقرر اس وقت مجمع میں بیان کر رہا ہے۔ مگر مقرر کی برہنہت اس لائق شخص کا مقام اعلیٰ ہے اور وہ اس وقت مثلاً عالم روح میں کام کر رہا ہے اور یہ مقرر عالم ناسوت میں تقریر دے رہا ہے اس لئے اس لائق شخص کے خیالات اور احساس بوجہ کشش جذب کے مقرر کے دماغ میں آنے لگے ہیں اور وہ اس وقت اپنی تقریر میں ایسے ایسے نکات اور مضامین بیان کر رہا ہے۔ جو اسکی استعداد اور قابلیت سے باہر ہے اور جنہیں سامعین کے کالون نے کبھی نہیں سنا۔ اس وقت مقرر کی زبان سے وہ وہ فصیح الفاظ اور جملے نکل رہے ہیں جن کے سننے سے لوگوں کو حیرت اور تعجب ہے ایسے موقع پر کہا جاتا ہے کہ یہ الہامی تقریر ہے۔ مگر لوگ اس کی اصلی وجہ کو نہیں جانتے۔ تھوڑی دیر کے لئے اسکا دماغ ایک فونوگراف کا آلہ ہو گیا ہے اور اس لائق شخص کے پر زور خیالات اس کے ذریعہ سے ظاہر ہو رہے ہیں جو عالم روح میں اس وقت کام کر رہا ہے۔ اس موقع پر ایک اور روایت کا ذکر نامناسب نہ ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کوئی داعط ایک مجلس میں وعظ کر رہا تھا۔ اور اس کے

بیان اور مضمون پر لوگ عشق کر رہے تھے۔ زبان ایک نامی گرامی  
 مرشد یا پیر بھی موجود تھے۔ ان کے کسی مرید نے حضرت کے کان  
 میں کہا کہ واعظ اپنی استعداد اور لیاقت سے زیادہ اس وقت نکات  
 بیان کر رہا ہے۔ پیر نے کہا کہ یہ مال اس کا نہیں ہے کسی دوسرے  
 کا ہے۔ مگر اس کی زبان سے صاحب مال کا فیض جاری ہو رہا ہے۔  
 اور وہ شخص اسی مجلس میں موجود ہے۔ مرید نے تعجب سے کہا کہ اسکا  
 ثبوت کیا ہے۔ مرشد نے کہا کہ لوا بھی اس کا فیضان بند ہوا جاتا ہے  
 پھر تم دیکھنا کہ اس کی زبان سے یہ باتیں نہ نکلیں گی۔ یہ کہہ کر مرشد نے  
 ہٹوڑا سکوت کیا اور واعظ کی ساری مضامین و بلاغت ایک دم سے  
 روانہ ہو گئی۔ اب نہ وہ عالی مضامین ہیں اور نہ وہ فصیح الفاظ۔ لاکھ  
 لاکھ کوشش کرتا ہے۔ مگر ایک جگہ بھی پہلے کی طرح سے نہیں نکلتا  
 آخر کار واعظ منبر سے نیچے اتر آیا۔ اور مرشد نے اپنی مرید سے کہا کہ  
 اس وقت اس واعظ کے جوش نے اس عالی خیال شخص کو متوجہ  
 کر لیا تھا جو عالم ارواح میں کام کر رہا تھا۔ اور یہ قیمتی خیالات اور فصیح  
 الفاظ اسی کا مال تھے۔ اب اس کی توجہ واعظ کی طرف سے اٹھ  
 گئی۔ اور واعظ کی اس قدر استعداد نہیں جو خود ایسے خیالات  
 پیدا کرے۔

جب کسی مقرر کا جوش و خروش اثنائے تقریر میں کسی عالی خیال  
 شخص کے خیالات کو کشش جذب سے کہنیتا ہے تو اس وقت



دفعاً اسکے دل میں خیالات اعلیٰ آنے لگتے ہیں جنہیں وہ فصیح اور بلیغ الفاظ اور جملوں میں نذر ناظرین کرتا ہے اور سامعین اس کی وضاحت و بلاغت پر عرش عرش کرتے ہیں اور اس کے عالی خیالات اور سحر بیانی کی داد دیتے ہیں۔

درحقیقت یہ خیالات الہام اور واردات کہے جاسکتے ہیں۔ جو عالم ارواح سے اتر کر مقرر کے دماغ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہیں خواہ وہ خیالات عالی کسی زندہ کے ہوں یا مردہ کے۔ بہر حال یہ ایک قسم کا الہام واردات اور القا ضرور ہے۔

### خود بخود لکھا جانا اور تصویر کشی

ارواح ہمارے دماغ میں صرف خیالات ہی نہیں ڈالتیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کبھی ان کا ظہور ہو جاتا ہے۔ وہ کسی کے ہاتھ پر بھی قبضہ کر سکتی ہیں اور جو چاہیں اسکے ہاتھ سے لکھوا اور کھینچوا سکتی ہیں۔ اور یہ دماغ کے ان مرکوزوں کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے جو عالم مثال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسکو خود بخود لکھے جانا کہتے ہیں۔ اور روحانی اشخاص کے دائرہ میں ایسے واقعات معمولی شمار کئے جاتے ہیں اور عوام الناس بھی اکثر ایسے واقعات شاہد کرتے رہتے ہیں۔ جب کوئی روح کسی شخص کے ہاتھ پر قابض اور مستغرق ہوتی ہے تو ہاتھ اہل شخص کے اختیار میں نہیں ہوتا اور وہ شخص جیسے روح آتی ہے یہ نہیں

جانتا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں اور کیا کھینچ رہا ہوں۔ جو کچھ وہ روح چاہتی ہے اس کے ہاتھ کے ذریعہ سے لکھتی اور کھینچتی ہے۔ مگر شخص مذکور کو اس کی مطلق خبر نہیں۔

ہمارے ناظرین نے اکثر سنا ہو گا کہ جب کسی پر سایہ ہو جاتا ہے۔ یعنی روح اسپر قبضہ کرتی ہے۔ تو مقبوض اجنبی زبانیں بولنے لگتا ہے حالانکہ وہ ان زبانوں سے واقف بھی نہ تھا اور جب سایہ چلا جاتا ہے تو زبان اجنبی نہیں بول سکتا اس زمانہ میں علم روحانی کی عدم واقفیت سے لوگ سایہ اور تصرف ارواح سے انکار کریں۔ مگر انکے اس انکار اور جہل سے واقعات باطل نہیں ہو سکتے۔ ہم نے خود اکثر لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ یہ سب دہی اور خیالی باتیں ہیں۔ مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ خود علم باطن اور اصول روحانیت سے ناواقف ہیں۔

### سانہ والے کی باتیں

بسطح ایک روح کسی شخص کے ہاتھ پر قابض اور متصرف ہوتی ہے اسی طرح وہ اور اعضا پر بھی قبضہ کر سکتی ہے بعض اوقات ایک روح اپنے وجود مثالی کے ساتھ ایک شخص کے گلے اور زبان پر متصرف ہوتی ہے اور اس کے اعضا سے آواز سے کام لیتی ہے اور اس ذریعہ سے اسکو آدمیوں سے باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور حاضرین سے جو جی میں آتا ہے کہتی ہے جبکہ کوئی روح صرف گلے

اور زبان ہی پر قبضہ کرتی ہے۔ تو معمول یا وہ شخص جس پر وہ روح آتی ہے اپنی باتوں کو تو سننا اور جانتا ہے مگر اسکو اپنے حلق اور زبان پر کوئی قابو نہیں رہتا اور وہ اپنی زبان کو باتیں کرنے سے نہیں روک سکتا۔

مگر جب کوئی روح کسی شخص کے پورے جسم پر قابض اور تصرف ہو جاتی ہے۔ تو اس وقت اسکو ہوش نہیں رہتا اور وہ اپنے افعال و حرکات سے بالکل نادانف ہوتا ہے۔ اور جب روح اس کے جسم سے چلی جاتی ہے اور اسکو ہوش آتا ہے۔ تو اپنے حرکات اور افعال اسکو مطلق یاد نہیں رہتے۔ جو کچھ حالات اس بے ہوشی میں گزرتے ہیں ان سب کو بھول جاتا ہے۔ نہ اسکو اپنی باتیں یاد رہتی ہیں اور نہ دوسروں کی روح کے آنے سے معمول کے چہرے پر تغیر ہو جاتا ہو۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ دلی حالت کے بدلنے سے چہرے کی حالت بھی بدل جاتی ہے۔ غصہ۔ رنج اور خوشی کی حالتوں میں چہرے کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں جن سے سب واقف ہیں۔ زیادہ بیان کی حاجت نہیں اسی طرح جب کوئی روح کسی شخص کے جسم پر پورا قبضہ کرتی ہے تو اس کے چہرے ہرے بلکہ تمام جسم کی حالت میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جسم اس روح کی حالت کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے سر پر آئی ہے۔ جن بہت اور ارواح کے سائے کے متعلقین اس کثرت سے

ہزارے ملکوں میں واقع ہوتی ہیں جن کو ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ زیادہ توضیح اور ثبوت کی یہاں ضرورت نہیں۔ مثلاً ہر سے زیادہ کوئی دلیل عقلی زوردار نہیں۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ یہ حالات وہی اور خیالی ہیں۔ جبکہ ہزاروں واقعات روحانی اثرات پر گواہی دے رہے ہیں اور اس بات کا یقین دلارہے ہیں کہ ارواح زندہ اجسام پر مشتمل ہوتی ہیں۔ تو اب ان حالات سے انکار کرنا محض عدم علم و فہم کی بنا پر ہے۔ عالم ارواح کے حالات سے دہنی اشخاص انکار کر بیٹھتے ہیں جو علم باطن سے محض گورے ہیں۔

### روح کا مادی شکل اختیار کرنا

انسان پر قبضہ کرنے کے علاوہ روح مادی شکل بھی اختیار کر سکتی ہے اور ان تدبیروں سے وہ عالم اجسام سے تعلق پیدا کر لیتی ہے۔ اور لوگوں سے گفت و شنید کرتی ہے عالم مثال کی روح کسی زندہ شخص کے اطراف سے ایبہریل مادے کو لیکر کوئی عضو انسانی بنا سکتی ہے اور اس بنائے کے کسی طریقے میں جو اس وقت بیان نہیں کئے جاسکتے۔ یہ روح اس مادے سے ہاتھ بنا کر اس کے ذریعہ سے عالم اجسام کی کسی شے کو حرکت دے سکتی ہے یا اس مادے کو اپنے مثالی ہاتھ پر لپیٹ کر اور اس کو جسمانی بنا کر دکھا سکتی ہے۔ بعض اوقات روح اس ایبہریل مادے کو اپنے وجود مثالی پر

خوب چرٹا کر اور ایک مجسم آدمی بنکر ہمارے سامنے آتی ہے اور ہم سے  
 باتیں چیتیں کرتی ہے۔ اسی کارروائی کو ہم روح کا مادی شکل اختیار  
 کرنا کہتے ہیں۔ اس لطیف جسم کے ساتھ وہ دنیا میں بہت سے کام  
 دکھاتی ہے اور اپنی دلی خواہشوں کو پورا کرتی ہے۔

عالم اجسام کی اشیاء کو کوئی قوت بغیر مادے کے توسل کے  
 حرکت نہیں دے سکتی۔ جب آدمی مر جاتا ہے اور اس کا قالب عنصری  
 باقی نہیں رہتا۔ تو وہ اپنے وجود مثالی سے کسی چیز کو حرکت نہیں  
 دے سکتا۔ مگر وہ دوسرے شخص کے اندر داخل ہونے یا اپنے اوپر  
 ایہتریل مادے کی موٹی تہ چرٹا ہانے سے وہ البتہ اس عالم کی چیزوں  
 سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ان دونوں تدبیروں سے وہ ہماری دنیا کی اشیاء پر تصرف ہو سکتا  
 ہے اور جو بھی چاہے وہ نتیجہ پیدا کر سکتا ہے مگر بغیر اس مادے کی  
 مدد کے کوئی روح اجسام میں تصرف نہیں کر سکتی۔

لیکن یہ ضرور نہیں کہ ہر حال میں وہ مادی شکل دنیا داروں کو دکھائی  
 بھی دے جسکو روح نے اختیار کیا ہے۔ اگرچہ کہ بعض اشکال سخت  
 مادے کے ہوتے ہیں۔ مگر اکثر اشخاص کو وہ دکھائی نہیں دیتیں۔

بعض اوقات لوگوں کو ارواح ایک دھوئیں یا ابر کی شکل میں اٹھتی  
 ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ بعض مرتبہ مجسم آدمیوں کی طرح دکھائی دیتی  
 ہیں۔ اور ان کے اجسام کو چھو سکتے ہیں۔ مگر اس میں کوئی شک و شبہ

ہنہن کہ جب تک کوئی روح ثقیل مادے سے اپنا جسم ہنہن بناتی تب تک وہ مادی چیزوں کو حرکت ہنہن دے سکتی۔

مرنے کے بعد انسان اس دنیا کی چیزوں کو اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح کہ وہ زندگی میں دیکھتا تھا۔ اس وقت اس کا جسم کثیف ہنہن ہوتا۔ مگر جسم لطیف یا قالب مثالی ہوتا ہے اسلئے جب وہ اپنے اس قالب مثالی پر ایتھرل مادہ کی موٹی تہ چڑھا لیتا ہے تو وہ نظر آنے لگتا ہے۔ کیونکہ شعاع آفتاب ثقیل مادے پر گر کر لوٹتی ہنہن اور اس لئے اشیاء کھائی دیتی ہنہن۔ اس وقت وہ مرا ہوا آدمی اپنی پوری شکل و صورت میں ظاہر جاتا ہے۔ عالم مثال کی ایک روح کو یہ بات بہت آسان ہے کہ وہ کسی شخص کی صورت اختیار کر لے۔ اسلئے دل میں قومی تصور آتے ہی اس کی صورت آدمی کی ہو جاتی ہے جسکی شکل میں وہ ظاہر ہونا چاہتا ہے۔ کیونکہ عالم مثال کا مادہ بہت لطیف ہے وہ آسانی سے ہر سانچے میں ڈھل سکتا ہے اور اس لئے ایک عالم مثال کی روح ہر شکل و صورت کو آن واحد میں بدلتی ہے۔

یورپ اور امریکہ میں آج کل لوگ بڑے بڑے اشخاص مثلاً سقراط اقلطون وغیرہ کی ارواح کو بلاتے ہنہن اور عوام الناس سے باتیں کر لیتے ہنہن اور لوگ انہن وہی سمجھتے ہنہن جو ان سے کہا جاتا ہے۔ یہ کارروائی صرف ایک دھوکے کی مٹی ہے وہی ایک روح مختلف اشکال میں کھائی دیتی ہے اور باتیں کرتی ہے اور نہ سقراط کی روح آتی ہے اور نہ اقلطون کی۔ اہل فہم اور علوم باطن کے اسرار جاننے والے ایسے تماشوں اور شعبہ

ایازہون کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

## خود بخود سلیٹ پر لکھ جانا

سلیٹ پر خود بخود لکھ جانا بھی ان حالتوں میں داخل ہے جبکہ روح لطیف مادے کی تیر اپنے اوپر چڑھاتی اور اس دنیا کی اشیاء کو حرکت دیتی ہے۔ جب کسی قابل شخص کو یہ منظور ہوتا ہے کہ روح کچھ سلیٹ پر لکھے اور لوگ اس تحریر کو دیکھیں۔ تو وہ سلیٹوں کے بیچ میں پیل کا ایک ٹکڑا رکھ دیتا ہے اور انہیں کہہ دیتا ہے میں اچھی طرح لپیٹ کر اسپر مہر لگا دیتا ہوں تاکہ لوگوں کو یہ شبہ پیدا نہ ہو کہ کسی خاص تدبیر سے تحریر حاصل کی گئی ہے اس کارروائی کے بعد غیر مری دنیا یا عالم مثال کی ایک روح جسکو لکھنا آتا ہے اور جو اس وقت لکھنا چاہتی ہے اپنے مثالی ہاتھ پر ایہ تہریل بادے کی ایک تہ چڑھالیتی ہے جو سلیٹوں کے اطراف و جوانب بکثرت بکھرا ہوا ہے اور اس ترکیب سے وہ اس پیل کو اپنے مادے یا تختے سے حرکت دیتی اور لکھتی ہے۔ ثقیل سے ثقیل مادے میں بھی ایہ تحریر کسی مزاحمت اور مخالفت کے داخل ہوتا ہے۔ اسلئے ایک ایہ تحریر کا تختہ سلیٹ میں سراسر طبعی آسانی نگھس جاتا ہے جیسو کہ وہ زمین یا وہ خان میں سراسر آفقیل ہاتھ بغیر کسی مزاحمت اور وقت کے گزر جاتا ہے ان تجربوں سے ثابت ہے کہ روح اس عالم ناسوت کے ساتھ ایہہ کے ذریعہ سے تعلق پیدا کر سکتی ہے

## سالک کا طریقہ

ایک تربیت یافتہ سالک اس عالم ناسوت سے انتقال کے بعد یا زندگی ہی

میں عالم آخرت یا غیر مری اور وسیع عالم میں کام کرتا ہے اور بعض اوقات اس کو کسی شخص کی اعانت اور امداد کی ضرورت داعی ہوتی ہے۔ جو کسی تکلیف یا عذاب میں ہوتا ہو تو ایسی صورت میں وہ اپنے وجود مثالی کے اطراف فضا میں سے ایتریل یا ایل پٹ لیتا ہے اور اس تدبیر سے اس کا وجود مثالی مادی شکل حاصل کرتا ہے وہ نہ تو کسی شخص کے اندر گھس کر کوئی کام اس دنیا میں کرتا ہے اور نہ کسی کے اطراف و جواب سے اس کے ایتریل مادے کا کوئی حصہ لیتا ہے بلکہ اس کثیر مادے میں سے جو عالم میں ہر جگہ بھرا ہوا ہے وہ لے لیتا ہے اور اس کو کام میں لاتا ہے۔ اور اس مادے سے جو شکل چاہتا ہے اس کو اختیار کر کے اس شخص سے باتیں کرتا اور اس کو مدد دیتا ہے جو تکلیف یا عذاب میں مبتلا ہے۔ اور جب وہ اس شخص کی امداد کر چکتا ہے تو پھر اس قالب لطیف کو چھوڑ دیتا ہے اور پھر یہ جزوی مادہ اپنے کل میں مل جاتا ہے اور اپنی اصلی صورت پر عود کرتا ہے۔ اور سالک کی روح پھر اپنے کام میں مصروف ہو جاتی ہے۔

## فصل ۴۔ معمول

### جسمانی خصوصیت

معمول یا وہ شخص جس پر کوئی روحانی اثر ڈالا جاتا ہے یا کسی روح کا قبضہ سپر



باسانی ہوتا ہے ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس میں معمول ہونے کی جسمانی قابلیت یا خصوصیت ہوتی ہے۔ اسکے اجزاء جسمانی اور اجزاء مثالی میں چسپیدگی کم ہوتی ہے اور اس کا قالب مثالی آسانی کے ساتھ جسمانی قالب سے جدا ہو سکتا ہے۔ معمول ہونے کی قابلیت اگرچہ خلقی ہے۔ مگر وہ عموماً مشق اور اکتساب سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

جس شخص میں معمول ہونے کی قابلیت ہوتی ہے وہ عام اشخاص سے عقل اور فراست میں کچھ زیادہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے خلاف دیکھا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں اکثر معمول وہی اشخاص دیکھے جاتے ہیں جن کے عقلی قوا میں ترقی کم پائی جاتی ہے۔ اگرچہ بعض مستثنیٰ صورتیں بھی موجود ہیں۔

الغرض معمول ہونے کی خصوصیت صرف جسم ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ جب جسم کی ایک خاص حالت پیدا ہو جاتی ہے تو آدمی معمول ہو جاتا ہے۔ معمول کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے قوا سے داعی ترقی یافتہ ہوں یا اس کے اخلاق اعلیٰ درجہ کے مہذب ہوں بلکہ معمول میں ان قوا سے روحانی اور عقلی کے ٹوٹی ٹھیک بھی لازمی نہیں۔ اکثر معمول میں قوا سے روحانی کی ترقی اور نمو ذرا بھی پایا نہیں جاتا جو انسان کا اعلیٰ اور افضل پہلو ہے۔ اور درحقیقت ان قواں میں اسی پہلو یا رخ کو کہتے ہیں۔

اس پر بھی لوگ معمول ہونے کو ایک روحانی ترقی خیال کرتے ہیں۔

جو شخص صرف ارواح کا اعتقاد رکھتا ہے اور بعد الموت زندگی کو  
یقینی جانتا ہے اسکو بھی اکثر لوگ ایک روحانی آدمی سمجھتے ہیں اور جو شخص  
صوفیوں کی وضع و قطع تراشتا ہے - اسکو خدا رسیدہ شخص جانتے  
ہیں اور جو شخص صرف عالم مثال کے کھیل تماشوں ہی میں مصروف  
رہتا ہے اسکو ایک ربانی شخص یا انسان کامل یا مہاتما خیال کرتے  
ہیں مگر سچی روحانی زندگی اور اصلی خدا پرستی چیز ہے دیگر ہے -

### ٹیلیگرام یا عالم مثال کی تار برقیان اور پیغام

عالم مثال سے جو تار برقیان اور پیغام ایک معمول کے توسط سے آتی  
ہیں انہیں اگر کوئی شخص حقیقت مذہب سمجھے اور ان پیغاموں کو انکشاف  
سمجھ کر معمول کے آگے سر جو بکاٹے اور اسکو ایک مہاتما اور انسان  
کامل بادر کرے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ گویا وہ الہ آباد کی صدر  
اسٹیشن پر جوتا کی بیڑی رکھی ہے اس کو سجدہ کر رہا ہے جہاں سے  
تمام ہندوستان کے شہروں کو تار جاتے اور آتے ہیں تار برقی کے  
آگہ کی پرستش کرنا اور اسکو مرشد کامل ماننا ایک نادانی ہے - دونوں  
صور توں میں پیغام بھیجتے والا شخص ایک ہی ہے خواہ وہ تار اور  
بیڑی کے ذریعہ سے پیغام بھیجے یا کسی معمول کے زندہ جسم کے  
وسیلہ سے -

اگر کوئی ایسی روح جو جسم ثقیل نہ رکھتی ہو کسی دوسرے آدمی کو

اپنا معمول یا ذریعہ بنا سے یا کوئی ٹیلیفون کو استعمال کرے تو دونوں صورتیں دراصل ایک ہی ہیں اور ان دونوں صورتوں میں روحانیت پائی نہیں جاتی۔ مرنے کے بعد جو ہم ایک مردہ کو روح کہتے ہیں جس نے اپنے جسم کثیف کو اتار ڈالا ہے۔ تو اس سے بہت کچھ اشتباہ اور احتمال پیدا ہو گئے ہیں اور ایک بے ضروری تعظیم اور عزت مردوں کو حاصل ہو گئی ہے۔ حالانکہ مردہ اور زندہ میں صرف جسم کا فرق ہے مرنے میں قالب ثقیل یا جسمانی موجود نہیں اور زندہ میں یہ جسم قائم ہے ہم مردے سے باہر اعتبار افضل ہیں کہ ہمارے پاس پورے قالب یعنی ہفت اندام موجود ہیں اور ہم اس عالم مادی کی اشیاء میں تصرف کر سکتے ہیں۔ مگر ہمارے مردے کو نصیب نہیں۔ کیونکہ موت ہم سے صرف اس جسمانی قالب کو چھین لیتی ہے اور ہم روح میں موت سے کوئی تغیر نہیں پاتے۔

ایک گنوار اور جاہل آدمی مرنے کے بعد بھی گنوار اور جاہل رہتا ہے۔ وہ مرنے سے کوئی شایستہ آدمی نہیں ہو جاتا۔ اگرچہ کہ اس جاہل آدمی کی روح کسی معمول کے ذریعہ سے ذرا اپنے آپ کو لایق اور شایستہ ظاہر کرے۔ تاہم ہمیں ضرور نہیں کہ ہم اس کے بیان کو اس سے زیادہ وقعت دین جبکہ وہ حالت زندگی میں ہم سے باتیں کرتا تھا۔

ہم خواہ مخواہ مردوں سے غیر ضروری خوف اور رجاء کہتے ہیں۔

اور ان سے طرح طرح کی مرادیں اور منتیں مانگتے ہیں جبکہ وہ حالت زندگی میں کسی مراد کے بر لانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ تو مرے کے بعد یہ طاقت انہیں کہاں سے آجائے گی۔ جب کوئی معمول کوئی بات بیان کرے تو ہمیں اس بیان کو اسی حیثیت سے خیال کرنا چاہیو جیسے کہ ایک معمولی آدمی کسی دوسرے معمولی آدمی سے باتیں کر رہا ہے اور اس کا بیان اسکی لیاقت کے موافق اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

### مقدس کنواری اطرکیان

کسی شخص کو معمول بنانے یا اس کی وساطت سے کسی روح سے باتیں کرنے یا کوئی کام لینے کا رواج کوئی جدید نہیں بلکہ ہزاروں برس سے یہ طریقہ چلا آتا ہے۔ اور عالم مثال سے تعلق پیدا کرنے کا یہ ذریعہ سب سے زیادہ آسان ہے۔ پرانی کتابوں اور توارخ کے مطالعہ اور نیز جالکین کے طریقہ تحقیقات سے یہ بات اچھی طرح سے ثابت ہے کہ قدیم ایام سے لوگ کسی شخص کو معمول بنا کے عالم مثال سے مراسلت کیا کرتے تھے۔ جب کوئی باقوت سالک اپنے مراقبہ میں ان قدیم مندروں اور پرستش گاہوں کو دیکھتا ہے جن کا زمانہ بہت ہی پرانا ہے یا قدیم مصر کے عالیشان عبادت گاہوں یا یونان کے ان مندروں کو جن کے احاطہ سنگ مرمر کی دیواروں سے بنا گئے تھے اپنی باطنی نظر کے سامنے لاتا ہے۔ تو اس کو دکھائی دیتا کہ

کہ ان مندروں اور عبادت گاہوں کے سامنے ہزاروں سچاریوں اور تیرغٹھ کرنے والوں کا ہجوم ہے جن کے چہروں اور نگاہوں پر عزت و تعظیم کے آثار نمایاں ہیں اور ان کے پیچ میں کچھ باکرہ کنواری لڑکیاں موجود ہیں جن کے ذریعہ سے بڑے بڑے پیروں اور مہاتماؤں کی ارواح بائیں کرتی ہیں۔

اور پہنچا کر ان کی ارواں بائیں سری ہیں۔  
اس پرانے زمانے کی حالت میں اور اب اس ہمارے نئے دور کی  
حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اُس زمانہ میں بڑے بڑے شریف  
خاندانوں کی لڑکیاں اس عرض کے لئے عبادت گاہوں میں چڑ پائی  
جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت مریم کا قصہ جو قرآن مجید میں ہے اس بات پر  
شاہد ہے اور ان کی زبان سے مقدس روحیں اس عالم مادی کو لوگوں  
سے باتیں کرتی تھیں۔ یہ کنواری لڑکیاں عبادت گاہوں اور خانقاہوں  
میں بڑی خبرداری اور حفاظت کے ساتھ پالی جاتی تھیں اور ان کے  
اطراف و جوانب سوا سے تقدس اور پاکی کے اور کوئی چیز موجود نہ تھی  
ان کی غذا میں بہت بڑی احتیاط کے ساتھ انتحاب کی جاتی اور پکائی جاتی  
تھیں اور کوئی برا خیال ان کے نزدیک تک آنے نہ پاتا تھا۔ اس احتیاط  
اور خبرداری کا نتیجہ یہ تھا کہ ان لڑکیوں کی وساطت سے بڑی بڑی  
مقدس ارواح نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی دانائی کے کلمات لوگوں سے  
کہتی تھیں اور لوگ ان کو سنکر ان سے فائدے اٹھاتے تھے۔  
اور اس حفاظت اور احتیاط کی وجہ سے کوئی نقصان ان لڑکیوں کو

ہنہیں پہنچتا تھا۔ اور دنیا کو بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے تھے۔  
 اس طریقے کے علاوہ ایک اور طریقہ عالم ملکوت سے تعلق پیدا کرنے  
 کا یہ بھی ہے کہ سالک ہتھوڑی دیر کے لئے اپنی روح کو اس قالبِ عنصر سے  
 علیحدہ کر لیتا ہے اور اس کے قالبِ بینِ دوسری ارواح جنہیں وہ بلانا  
 چاہتا ہے آجاتی ہیں۔ لیکن یہ طریقہ اسی سالک کو مزاوار ہے جو اعلیٰ درجہ  
 کی قوت رکھتا ہے اور جو اپنے ارادے سے اپنے قالب کو چھوڑ کر جب  
 تک چاہے علیحدہ رہ سکتا ہے اور اس روح کی باتیں سن سکتا ہے جو اسکو  
 اندر داخل ہوئی ہے اور اسکے تمام حرکات کو محسوس کر سکتا ہے۔ جب  
 تک کوئی روح اسکے اندر سے باتیں کرتی ہے وہ سالک عالمِ مثال میں  
 علیحدہ کھڑا رہتا ہے اور اسکی باتیں سنتا اور عرشِ عشق کرتا ہے۔  
 اس طریقہ میں ان سالکین کے لئے کوئی خوف اور نقصان نہیں ہے

## معمول کو خطرات

اس زمانہ میں جو طریقہ معمول بنانے کا اختیار کیا گیا ہے وہ خوف و خطر  
 سے خالی نہیں۔ معمول کو اس میں کئی طرح کے نقصان کا اندیشہ ہے۔  
 اور اس مضرت سے اہل باطن اکثر لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں۔ مگر کم استخفا  
 اس نصیحت کو گوشِ دل سے سنتے ہیں۔ جب کسی شخص کو معمول بنایا جاتا  
 ہے۔ تو اسکی حالت عموماً بلحاظِ تندرستی اور قواسِ عقلی کے اچھی نہیں رہتی  
 یعنی اسکی صحت اور دماغ دونوں پر معمول بننے سے برا اثر پڑتا ہے۔ اسکو

علاوہ معمول میں یہ قوت موجود نہیں ہوتی کہ وہ اپنے اختیار سے جس روح کو چاہے اپنے جسم میں آنے دے اور جسکو چاہے نہ آنے دے۔ وہ انتخاب ارواح میں جو اس پر قبضہ کرتی ہیں بالکل بے بس ہوتا ہے۔ جب کسی معمول کی روح اس کے جسم سے علیحدہ کر دی جاتی ہے تو وہ عالم مثال میں بے حس و حرکت ہوتی ہے اور اکثر اوقات تو اسکو اپنا بھی ہوش نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ وہ عالم مثال کی اشیاء کو محسوس کرے۔ اسکی روح اس قدر تاثر بیت یافتہ ہوتی ہے کہ اسکو نہ اپنی اور نہ کسی دوسرے کی آگاہی ہوتی ہے اور وہ اس غیر مرئی عالم میں اپنے ہی خیال میں ڈوبی ہوئی ادھر ادھر ستانہ دار ٹھوکریں کہاتی پھرتی ہے۔

ادھر تو اس معمول کی روح اس خراب حالت میں ہوتی ہے اور ادھر کوئی اچھی یا بُری روح اُسکے جسم پر قبضہ کر لیتی ہے اور حاضرینِ جلیہ سے اسکی زبان کے توسط سے باتیں کرتی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی نیک آدمی کی روح اس معمول کی امداد اور رہنمائی کرتی ہے اور اسکو تقابض روح کی مضرت سے بچاتی ہے۔ مگر یہ رہنما روحیں بھی معمولی اشخاص کی ہوتی ہیں۔ اسلئے ان میں بھی نہ تو کوئی بڑی دانائی اور عقلمندی پائی جاتی ہے اور نہ کوئی غیر معمولی زور و قوت۔

ہم اس بات کو کہیں آگے بیان کر چکے ہیں کہ عالم مثال کے وہ طبقات جو دنیا کے عقل میں اکثر ارواحِ خبیثہ اور بدکار آدمیوں کے وجود مثالی سے بھرے ہوئے ہیں اور وہ ان ہر قسم کے بدکار اور ناقص العقل اشخاص مرنے

کے بعد رہتے ہیں۔ معمول کی روح بھی اپنے وجود مثالی کے ساتھ انہیں طبقات میں پہنچتی ہے اور اسکے خالی جسم پر کسی بد معاش کی روح متصرف ہو جاتی ہے یا جو دیکھ محافظہ روح میں اس او خال سے اس کے جسم کو بچاتی ہیں۔ مگر پھر بھی ان کا زہر ان بدکار پر جو شس اور اہل نفس کی ارواح پر نہیں چلتا اور وہ معمول کے جسم پر پورا قبضہ حاصل کر لیتی ہیں۔ واقعی اس خراب روح کے داخل ہو جانے سے معمول کا قالب جسمانی خراب ہو جاتا ہے اور اسکی نجات اور بدکاری بھی اس میں اثر کر جاتی ہے اور وہ خبیث روح اس میں جو کچھ بُرا تصرف کرتا چاہتی ہے وہ کرتی ہے اور خواہشات کے پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتی۔

اگرچہ اس معمول کے خالی جسم میں کسی معمولی شخص کی روح ہی داخل ہو جائے اور وہ کوئی بدکار اور بد معاش آدمی نہ ہو تو بھی معمول کا قالب عنصری خراب اور نجس ہو جاتا ہے کیونکہ عموماً لوگوں میں خود غرضی اور خواہشات نفس اور غصہ پایا جاتا ہے اور مرنے کے بعد بھی معمولی اشخاص کی ارواح میں یہ بُری خصلتیں باقی رہتی ہیں۔ اور ان ارواح کے داخل ہونے سے کچھ نہ کچھ بُرا اثر معمول کو ضرور پہنچ جاتا ہے

## ناپاک اطراف و جوانب

اکثر عوام الناس کے جلسے ناپاکی اور کثافت سے مملو رہتے ہیں



کیونکہ ان مجنون میں عموماً وہی لوگ موجود ہوتے ہیں۔ جنکے دلون میں خود غرضتی اور دیگر جذبات نفسانی کی مختلف کثافتیں بھری ہوئی ہوتی ہیں یہ لوگ اہل باطن کے پاس یا تو اس غرض سے جاتے ہیں کہ ایک عجیب و غریب بات کو دریافت کریں یا محض دینوی مقاصد میں ان سے اعانت طلب کیجائے۔ غرضکہ محض خدا طلبی کے لئے بزرگان دین کے پاس بہت ہی کم لوگ جاتے ہیں۔

چونکہ یہ لوگ موانع شرعی سے پرہیز نہیں کرتے اور حلال و حرام میں انہیں تمیز نہیں ہوتی اور عموماً وہ سببندی شراب کے عادی ہوتے ہیں اور بکثرت گوشت کھاتے ہیں اور اپنے اجسام کو بھی ظاہر اور پاک و صاف نہیں رکھتے۔ اس لئے ان کے جسموں سے بری اثرات باہر نکل کر موری کی بدبو کی طرح چاروں طرف پھیلتے ہیں۔ اور اپنی اطراف و جوانب غلاطت و کثافت کا ایک کرہ پیدا کر دیتے ہیں جس سے ہر ایک جائز ارتکاب ہوتا ہے اس ہمارے دور میں جبکہ عدم علم روحانیت یا جاہلیت کا دور کہا جاسکتا ہے ایسے پرہیزگار شخص کم موجود ہونگے جو معمول بننے کی پوری قابلیت رکھتے ہوں۔ کیونکہ جو معمول شرابیہ اور گوشت کے عادی ہیں انکے اجسام سے ایسی بُری گیسیں اور کثیف ہوائیں چاروں طرف پھیلی ہیں کہ کوئی مقدس روح ان کے پاس تک آنا گوارا نہیں کر سکتی۔ ہاں البتہ کثیف ارواح انکے اجسام میں داخل ہوتی ہیں جنہیں وہ اپنی کم فہمی سے مقدس ارواح خیال کرتے

کرتے ہیں۔ جو لوگ دنیا میں پرہیزگاری کو اپنا شعار نہیں بناتے ہیں ان کے اجسام کی مثال ایسی ہے کہ کوئی غلیظ اور کثیف کپڑے پھین لے یا ایک ایسے نجس مکان میں رہے جو اینٹ اور چوڑے کی عوض نجاست اور غلاظت سے تیار کیا گیا ہو۔

یہی اسباب ہیں کہ یورپ اور امریکہ میں بعض لوگ ارواح مقدسے باتین کرانے کے مدعی ہوتے ہیں اور انھیں اپنے دعویٰ میں کامیابی نہیں ہوتی۔ غیر مری عالم کی ارواح مقدسہ عوام الناس کے مجمع میں آنے سے قطعی نفرت رکھتی ہیں۔ گوان جلسوں میں ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیون نہ موجود ہوں۔ کیونکہ عوام الناس کے مجمع کے اطراف و جانب ناپاک اور متعفن کرہ ہوا گھرا ہوتا ہے اور ان سے ان کی طبیعتوں میں سخت انقباض اور تنفر پیدا ہوتا ہے۔ ایسے جلسوں میں سفاظ و بقراط اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مومن بنیہ سیدہ مریہ ارواح مقدسہ تو ہرگز نہیں آتیں۔ مگر صرف معمولی آدمیوں کی جیسے اس ناپاک اور کثیف ہوا میں رہنے کی عادی ہیں اور جنہیں معلم بنے میں ایک طرح کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ البتہ ان سے روک تھام ضرور ہونا چاہیے۔ حاضر ہو جاتی ہیں اور وہ تھوڑی دیر کے لئے اس باؤمی دنیا سے تعلق پیدا کرنے کا لطف اٹھاتی ہیں۔ واقعی ان معمولی ورجہ کی ارواح کو یہ موقع بہت ہی غنیمت ہوتے ہیں جو باطنی اس دنیا کے دنی کی طرف ہمیشہ مائل رہتی ہیں۔

## مجالس اہل اللہ کی شرائط

اس زمانہ میں حال و حال کی مجالس میں عام طور پر سب کو آنے کی اجازت ہے اور اکثر لوگوں کو حال آتے ہوئے بھی دیکھا جاتا ہے۔ لیکن اگر ان مجالس میں بعض شرائط کی پابندی کی جائے۔ یعنی صرف اہل ذوق ہی جمع ہوں۔ تو البتہ دورانِ سمع میں مقدس ارواح بھی ان مجالس میں آسکتی ہیں اور اہل باطن کو ان کی حاضری سے بہت کچھ فوائد پہنچ سکتے ہیں۔ اگر ان مقدس جلسوں کی شرائط تبدیل کر دی جائیں اور صرف انہیں لوگوں کو ان میں آنے کی اجازت دی جائے۔ جنکی زندگی پاک و صاف اور بے غرضانہ ہو۔ اور جنکے مقاصد زندگی صرف روحانی ہوں۔ اور اگر صاحب ذوق کوئی ایسا شخص ہو جو پرہیزگار اور متقی ہو اور جس کے خیالات مقدس اور روحانی ہوں اور جس کا دل حرص و حسد اور دیگر لوٹ فٹانی سے پاک ہو۔ تو البتہ ان جلسوں سے اس قدر فوائد کثیر دنیا کو پہنچ سکتے ہیں جنکا یقین بھی اس زمانہ میں لوگوں کو آ نہیں سکتا۔ مسٹر اسٹیڈ نے یورپ میں انہیں شرائط پر ایک خاتقاہ قائم کی ہے۔ ہمارے ملک میں بھی انہیں اصولاً کسی زمانہ میں خاتقاہ میں بنائی جاتی تھیں اور ابتدائے عمر سے سالکین وہاں رکھ کر تربیت کئے جاتے تھے ان خاتقاہوں کو بیت المال سے کافی امانت بھی دی جاتی تھی۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی صد ہا معافیات اراضی اور زمینیں اور وظایف ان خاتقاہوں کے لئے نہ کار کی طرف سے دئے جاتے ہیں۔

مگر معلوم نہیں کہ جس غائت کے لئے یہ روپیہ دیا جاتا ہے وہ کہاں تک پوری ہوتی ہے۔ عام طور پر تو صرف سالانہ عرس و صوم و حرام سے کچھ جان ہیں اور روشنی اور مجلس سماع ہی کا رواج پایا جاتا ہے۔ اگر ان خانقاہوں میں سالکین کی باضابطہ تعلیم و تربیت پر زور دیا جائے اور علم روح کی تحقیقات میں وقت اور روپیہ صرف کیا جائے تو البتہ دنیا کو بہت کچھ فائدے ان سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

اگر ان مجالس کے شرائط بدلے نہ جائیں گے۔ تو نتائج بھی وہی ہونگے جو اب تک رہتے چلے آئے ہیں۔ بے ضابطہ تعلیم و تربیت سے جو شرائط پرہیزگاری اور اتقا کے ساتھ نہ ہو۔ سالک یا مہمول اکثر نقصان اٹھاتے اور خراب ہو جاتے ہیں اور آخر کار وہ وہم و خیال کی غلامی کرتے ہیں اور روحانی فضیلت اور کشف و کرامت سے بے نصیب رہتے ہیں۔ اور بعض تو ان میں سے مجنون اور مجبوظ بھی ہو جاتے ہیں جنہیں لوگ مجذوب کہتے ہیں۔ اگر خانقاہوں کے مشایخ اور مرشد اور رہنمائے سالکین علم روحانی میں کچھ اضافہ کرنا چاہتے ہیں اور اس قیمتی علم کو زندہ رکھنے کے خواستگار ہیں تو انہیں چاہیے کہ علم تصوف کی موجودہ حالت پر ایک عمیق نظر ڈالیں اور اس کی اصلاح کی طرف کوشش کریں اور اپنی خانقاہوں میں ایسے مریدوں کو رکھ کر تعلیم و تربیت کریں۔ جن کے اعمال و افعال کی پوری محافظت کی جائے۔ اور دینی و سوسائٹی اور عام لوگوں کی صحبتوں سے بالکل بچائے جائیں۔ انہیں اس بات کی کبھی اجازت نہ دی جائے کہ

وہ خود غرض اور نفس پرست اہل دنیا سے کوئی تعلق رکھیں۔ ایسا لکین  
اس وقت ہیا ہو سکتے ہیں جب بچپن ہی سے اون کی احتیاط اور حفاظت  
عمل میں آئے اور وہ دنیا داروں کی سوسائٹی کے اثرات سے محفوظ  
رکھے جائیں۔

## روح کو مادی شکل میں لانیکے خطرات

معمول کے ایتھیریل ماٹے کے ذریعہ سے کسی روح کو عالم مری یا خارج  
میں لانا اور اس روح کو اس تدبیر سے متشکل کر کے لوگوں کو دکھانا کبھی  
خطرے سے خالی نہیں۔ عام طور پر سالکین کو اس عمل کی ہرگز اجازت  
نہیں دی جاسکتی۔ اس سے صرف معمول کی صحت ہی خراب نہیں ہوتی  
بلکہ اسکی جان کا بھی خطرہ ہے۔ جب کسی معمول کے اطراف سے اس کا  
ایتھر اس عمل کے لئے لیا جاتا ہے۔ تو اس وقت اسکی جان میں کمی آجاتی ہے  
اور اس کی وائٹل فورس کم ہو جاتی ہے جس پر مدار زندگی ہے۔ جب قدر کسی  
مخصوص کے جسم سے ایتھر کم کیا جائے گا اسی قدر اس کی جسمانی طاقت کم جاسیگی  
اور اس کے بعد سخت غشی اور بے ہوشی کی حالت طاری ہو جائے گی  
اس حالت میں اعضائے جسمانی میں ایک قسم کی بے ترتیبی واقع ہوتی ہے  
دل کی حرکت دھیمی پڑ جاتی ہے اور معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ الغرض  
معمول کو اکثر اس عمل کے کرنے سے جسمانی خرابیاں لاحق ہوتی ہیں اور اسکا  
دماغ اور قلب کمزور ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ان صورتوں میں معمول کو

شراب یا دیگر محرک خون مشروبات پلائی جاتی ہیں اور پھر رفتہ رفتہ آمین شراب خواری کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔

## ایتھیریل ماؤے کا نقصان

جب کوئی روح یا وجود مثالی کسی زندہ آدمی کے ایتھر کو لے کر اپنے اوپر اسکی تہ پڑھاتی ہے اور اس طرح وہ ہمارے سامنے آتی ہے تو معمول کی جان میں نقصان وار ہو جاتا ہے۔ اور اس کی قوت زیست کم ہو جاتی اگر وہ روح جس نے قالب مادی اختیار کیا ہے ایک پر جوش اور غضب خاصیت رکھتی ہے یا نفسانیت اور خواہشات اس پر غلبہ کئے ہوئے ہیں تو اس کے یہ خصوصیات اس ایتھر کے ذریعہ سے اس معمول پر بھی اثر کر نیکی جس کے جسم سے یہ ایتھر لیا گیا ہے۔ کیونکہ جب وہ روح نظر سوغائب ہو جاتی ہے اور اسکا یہ جدید ایتھیریل جسم ٹوٹ جاتا ہے۔ تو پھر وہ ایتھر اس معمول کے جسم میں آجاتا ہے اور اسوقت اس ماؤہ میں اس روح کے خصوصیات باقی رہ جاتی ہیں جو اس زندہ کے اندر سرایت کرتی ہیں ان وجوہ پر نظر کرنے سے یہ عمل ہی ہمارے نزدیک کرنے کے لائق نہیں جس سے کسی شخص کو مضرت پہنچے۔

معمول کے علاوہ جس جلسے میں یہ عمل کیا جاتا ہے وہاں کے تمام اشخاص کے جسم میں سے بھی کچھ نہ کچھ حصہ ایتھیریل ماؤہ کا لیا جاتا ہے اور اس طرح معمول کے جسم کی حفاظت کی جاتی ہے۔ الغرض ایسے عملیات سے جو

مخض کھیل تماشے کی منرض سے کئے جاتے ہیں ایک گونہ مصرت اور نقصان سب کو پہنچتا ہے اور لوگ اس راز سر بسہ سے آگاہ نہیں ہوتے

## زندہ اشخاص پر ارواح کا مسلط ہونا یا قبضہ کرنا

اگر کوئی شخص جس پر عالم مثال کھلا ہوا ہے ایک ایسے جلسہ پر باطنی نظر ڈالے جہاں کسی معمول پر کوئی روح بُلائی جا رہی ہے تو اس کو صاف دکھائی دے گا کہ اس جلسہ کے مکان میں ارواح کا اثر و ہام یا مجہم ہے کیونکہ اس عمل کی خاصیت یہی ہے کہ وہ عالم مثال کی ارواح کو اس مکان جلسہ کی طرف کھینچ لائے۔ مگر ان ارواح میں سے صرف ایک یا دو حویں معمول کے جسم میں سے ایتھر لے کر حاضرین جلسہ کے سامنے آتی ہیں اور باقی ناکام رہتی ہیں۔ اور وہ اپنے اثرات خواہ اچھے ہوں یا بُرے حاضرین مجلس پر ڈالتی ہیں۔ بعض اوقات یہ ارواح حاضرین میں سے کسی بد قسمت شخص کے اوپر حجاب یا پروے کو چھا ڈالتی ہیں جو عالم ناسوت اور عالم مثال کے درمیان واقع ہے اور جس کا ذکر ہم گزشتہ فصل میں کسی جگہ کر آئے ہیں اور اس پروے کے دور ہو جانے کے بعد یہ بد قسمت شخص اس روح کے اختیار میں آجاتا ہے جس نے اس پر یہ تصرف کیا ہے۔ اس وقت یہ روح اگر چاہے تو پھر ہمیشہ اپنا قبضہ رکھے اور اس کی زندگی کو تلخ کر دے اور یہی دنیا اس کے لئے دوزخ ہو جائے۔ اس حالت میں یہ بچارہ شخص کیا کر سکتا

وہ تو بالکل اس روح کے اختیار میں ہوتا ہے۔

جب ایک دفعہ بھی یہ پردہ دور ہو گیا۔ تو اب وہ شخص جس کا پردہ دور ہوا ہے اکثر بڑے ارواح کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور یکے بعد دیگرے اس پر بدکاروں اور بد معاشوں کی روحیں قبضہ کرتی رہتی ہیں۔ اور وہ ان کے ہاتھوں میں ایک گیند یا کٹ پتلی ہوتا ہے۔ جدھر خبیث ارواح اس کو لئے جاتی ہیں اور ہر جاتا ہے اور جیسا ناچ وہ اس کو نچاتی ہیں ویسا ناچتا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ عالم مثال کے اسفل طبقات میں اکثر بد معاشوں اور نالایق شخصوں کی روحیں پریشان طور پر چکر کا شتی ہوئی پھرتی ہیں اور وہ ہمیشہ اس تلاش میں رہتی ہیں کہ کسی معمول یا کمزور آدمی میں گھس کر اس مادی دنیا کے لذائذ سے پھر بہرہ ور ہوں ان کو ایسے کمزور اشخاص ایک نعمت غیر مترقبہ ہوتے ہیں۔ اس لئے جس شخص کا یہ فطری حجاب دور ہو جاتا اس کی حالت اچھی نہیں رہتی۔ وہ قابل رحم ہو جاتا ہے۔ میں نے خود حیدر آباد ہی میں ایک آدمی کو دیکھا ہے جس پر عالم مثال کا اسفل طبقہ کھلا ہوا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ اس کی دید بند ہو جائے۔

بعض اشخاص کا بیان ہے کہ یہ شخص پہلے تصوف اور علم آخرت کا قائل نہ تھا اور ایک جلسہ میں اس کے خلاف گفتگو کر رہا تھا اتفاقاً وہاں کوئی صاحب دل بھی بیٹھ تھے۔ انھوں نے اپنے تصرف سے



اس کا حجاب وور کر دیا اور اس کو عالم مثال کے اسفل طبقہ نظر آنے لگو۔  
اور وہ اس علم مقدس اور آخرت کا قائل تو ہو گیا۔ مگر پھر اسکی نظر  
عالم مثال غائب نہ ہوا اور یہ بات اس کو ناگوار خاطر ہے۔

اگر حجاب وور بھی نہ ہو۔ اس وقت بھی یہ ہوتا ہے کہ بعض  
بُری روحیں اون اشخاص کے ساتھ ان کے گھروں کو لگی چلی جاتی  
ہیں۔ جو ان جلسوں میں حاضر ہوتے ہیں جہاں ارواح کے کھیل تماشو  
دکھائے جاتے ہیں۔ اور جب کبھی موقع ملتا ہے تو ان کو ستانے میں  
ورنچ نہیں کرتیں۔ اس موقع پر یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ بچوں  
اور لڑکوں پر بُری ارواح کا جلد اثر پڑتا ہے اور بالغ کی نسبت انہیں  
متاثر ہونے کی قابلیت زیادہ ہے۔ اس لئے اگر وہ ارواح جو حاضرین  
جلسہ کے ساتھ لگ آتی ہیں۔ اون کے گھروں میں داخل ہو جائیں  
جہاں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ تو البتہ افسوس ناک نتائج پیدا ہو جائیں گے  
مگر اچکل لوگ ان خرابیوں کو جانتے نہیں۔

ہم بیان پر لوگوں کو یہ مانعت نہیں کرتے کہ لوگ اس قسم کے جلسہ  
نہ کیا کریں۔ بلکہ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ جلسے خاص ہونا چاہیے۔ جہاں  
مخصوص اشخاص موجود ہوں۔ ان جلسوں کو عام طور پر کرنا اور عوام الناس کو  
ان میں بلانا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ عوام الناس میں اس قدر  
صلاحیت نہیں کہ وہ بُرے ارواح کے اثرات سے متاثر نہ ہوں اور  
خواص پران بُری ارواح کا زیادہ اثر نہیں پڑ سکتا۔ اسی وجہ سے اگلے

زمانہ میں خاص میٹھکین ان غلوں کے واسطے کی جاتی تھیں اور معمول بھی خاص خاص حفاظت کے ساتھ رکھے جاتے تھے۔

## فصل ۵۔ روح اعلیٰ

### تقید دماغ

سلوک کا طریقہ جس سے عالم مثال کھل جاتا ہے کوئی خلاف فطرت بات نہیں ہے۔ اس طریقہ پر عمل کرنے سے روح اعلیٰ اور دماغ کے درمیان ایک راہ پیدا ہو جاتی ہے۔ دماغ خود خیال پیدا نہیں کرتا۔ وہ تو محض ایک آلہ یا فونو گراف کی پلیٹ یا بانسری ہے جس کے ذریعہ سے خیالات ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ دماغ میں آکر ظاہر ہوتے ہیں۔ تمام خیالات قلب اعلیٰ یا روح اعلیٰ کی حرکت سے پیدا ہوتے اور دماغ انہیں وصول کرتا ہے یعنی وہ مقام قلب میں پیدا ہونے کے بعد دماغ میں اترتے ہیں اور پھر دماغ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا کہ تمام خیالات اور احساس قلب اعلیٰ کے مقام کی تار بقیان ہیں جنہیں ہمارا دماغ رسیو کرنا یا وصول کرتا ہے۔ مگر بعض خیالات ایک دماغ سے دوسرے دماغ میں بھی منتقل ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بھی

خیالات کا سرچشمہ قلب ہے۔ اس جگہ اس بات کے انہما کی بھی ضرورت ہے کہ بغیر دماغ کی وساطت کے بھی خیالات قائم ہوتے ہیں۔ دماغ خیالات کے لئے کوئی ضروری شے نہیں ہے جیسا کہ آج کل مادیین خیال کرتے ہیں۔ وہ اپنی غلط فہمی سے دماغ ہی کو خیالات کا پیدا کرنے والا جانتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ جب دماغ معطل ہوتا ہے جب بھی انسان کے دل میں خیالات بدستور پیدا ہوتے ہیں۔

اس بات کے سننے سے لوگوں کو کس قدر حیرت ہوگی کہ جس کو ہم اپنی آگاہی۔ اور اک یا دل کہتے ہیں وہ روحِ اعلیٰ یا آگاہی اعلیٰ کا ایک مقید حصہ ہے۔ یعنی ہم میں ایک تو روح مقید یا قلب مقید ہے جس کو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارے دماغ میں سوچتا اور سمجھتا ہے۔ دوسری روح مطلق یا قلب مطلق ہے جس کا سایہ یا عکس قلب مقید ہے۔

خداوند تعالیٰ نے دماغ انسانی کو ایک ایسا آلہ بنایا ہے جس کی ساخت اور ترکیب کے مشاہدہ سے عقلیں رنگ ہوں۔ وہ ہمارے تمام خیالات کو جنہیں قلب اپنی حرکت سے پیدا کرتا ہے وصول کرتا ہے۔ مگر وہ ان خیالات یا حرکات قلب کو مقید کرتا ہے اور ان کے پاؤں میں کتنی ہی بیڑیاں ڈالتا ہے۔ ہمارے قلب سے خیالات تو اسی سرعت کے ساتھ نکلتے ہیں جیسے بالون میں سے بجلیاں۔ مگر وہ ان برق رفتار خیالات کو مقید کر دیتا ہے کہ جس کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔

قانونِ فطرت کے موافق یہ خیالات کی بندشیں اور قیدیں مختلف ہیں

ایک گنوار یا جاہل مزدور کی دماغی آگاہی یا روح اسفل نہایت ہی محدود ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا قلب صرف معمولی کام کاج ہی کی نسبت سوچتا ہے اور اس کے حرکات سطحی اور سست ہوتی ہیں۔ مگر ایک اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ شخص کے خیالات اس قدر وسیع اور سرچ ہوتے ہیں۔ جنہیں موجودہ نمونہ کا دماغ تمام و کمال ظاہر کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا

اصطلاحی الفاظ کا غلط استعمال اور اسوجہ سے

## کتاب کے سمجھنے میں غلط فہمیان

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ تصوف کے اصطلاحی الفاظ کے استعمال میں سخت غلطیان کی جاتی ہیں اور اسوجہ سے کتب تصوف کے سمجھنے میں لوگوں کو غلط فہمیان واقع ہوتی ہیں۔ اگرچہ کہ اس مختصر کتاب میں اس قدر گنجائش نہیں کہ ہم تفصیل وار الفاظ مصطلحہ کو بیان کر دیں تاہم اسوقت ہمیں اسی قدر ضروری معلوم ہوتا کہ ہم یہاں صرف روح۔ قلب اور نفس کے باہمی فرق کو بیان کر دیں۔

لوگ عموماً صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ انسان میں ایک روح ہی اور ایک جسم ہے۔ غرض کہ وہ روح کو اجمالاً اس کے تمام مراتب کے لئے استعمال کرتے ہیں اور روح۔ قلب اور نفس کے استعمال میں ذرا بھی فرق اور امتیاز کو دخل نہیں دیتے۔ نفس کو کبھی روح کی جگہ پر

استعمال کرتے ہیں۔ اور کبھی قلب کو نفس کی جگہہ۔ اسی طرح لوگ روح سفلی اور روح علوی کے استعمال میں بھی غلطیاں اور بے تمیزیاں کیا کرتے ہیں۔

روح کا مقام اعلیٰ ہے اور نفس کا مقام اسفل ہے اور قلب ان دونوں کے بیچ میں ہے۔ اور قلب اور نفس دونوں روح کے مقامات متحرک ہیں جب وہ روح اس مادی عالم میں مصروف ہوتی ہے تو اس وقت اس کو نفس کہتے ہیں۔ اور جب وہ خدا کی جانب متوجہ ہوتی ہے تو وہ روح کہلاتی ہے۔ اور قلب روح کا وہ مقام ہے جس میں دونوں جانب میلان کی خاصیت موجود ہے۔ پس قلب کا وہ حصہ جو نفس کے ساتھ ملکر کام کرتا ہے اس کو روح سفلی کہتے ہیں۔ اور قلب کا وہ حصہ جو روح کے ساتھ ملجا تا ہے اور کام کرتا ہے وہ روح اعلیٰ کہلاتا ہے گو ہم نے یہاں ان اصطلاحات کو مختصر بیان کر دیا ہے۔ مگر انہیں وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے مجاہدے اور ریاضت سے سلوک کے مقامات طے کئے ہیں۔ جن اشخاص نے بغیر سلوک کے اپنے دماغ اور احساس ظاہری سے ان الفاظ کے معنی سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اپنی روح سفلی کے ذریعہ سے سوچنے اور سمجھنے پر اکتفا کیا ہے۔ انہوں نے واقعی ان الفاظ کے معنوں کو اچھی طرح نہیں سمجھا ہے۔ کیونکہ محض کتابوں کے پڑھنے اور اپنی جزوی عقل کو کام میں لانے سے کوئی شخص ان مقامات کا مشاہدہ نہیں کر سکتا ہے جنہیں یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص

راہ سلوک کے طے کرنے کے بغیر علم تصوف کو اپنی جزوی عقل سے دریا کرنا چاہیے گا۔ تو وہ کبھی اس علم کو نہ سمجھے گا۔ اور اس کے ولائل اور نتائج جو کچھ وہ از روئے منطق کے ترتیب دے گا غلط ہوں گے۔ یہ علم مشاہدہ کا ہے۔ کوئی خیالی یا استدلالی علم نہیں ہے۔ اسی سبب جو ایک ان پڑھ آدمی راہ سلوک طے کر لیتا ہے وہ ہر مقام کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور اس کا بیان موثر ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے تمام علوم پڑھا ہوا آدمی بھی تصوف کے مسائل کے سمجھنے میں معذور ہے۔ افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بعض حضرات بغیر راہ سلوک طے کئے ہوئے قرآن شریف کی تفسیر لکھنے اور اس کے معنی بیان کرنے کی جرات کر بیٹھتے ہیں۔

## روح کے افعال و خواص

ساکلین طریقت کو معلوم ہے کہ تمام انسانوں کی روح ایک ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبت منہا رجلاً کثیراً ولساءً۔ یعنی اسے لوگوں کو اپنے رب سے جس لئے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اسکا چوڑا بنایا اور ان سے بہت سے مرد اور عورتیں پہلایں۔ مگر اسی ایک روح کا ظہور مختلف قالبوں اور ظروف کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔

دماغ کی ساخت اور ہیئت کے بائٹ سے اسی ایک روح کے افعال و خواص بھی بدل جاتے ہیں۔

اس بیان کی تصدیق اس واقعہ سے ہو سکتی ہے کہ جب کسی برقی آلہ میں تین قسم کے تار یا ظروف لگائے جاتے ہیں۔ تو اس برق کا ظہور بھی تین اشکال میں ہوتا ہے۔ حالانکہ برق وہی ایک شے واحد ہے مثلاً جب برق ایک ایسی شیشے کی نلی یا ٹیوب میں سے گزرتی ہے جس میں پارہ بھرا ہوا ہے۔ تو صرف ایک نیل گون روشنی ظاہر ہوتی ہے۔ اور جب چاندی کے تار میں سے گزرتی ہے۔ تو حرارت پیدا ہوتی ہے اور جب تانبے کے تار میں سے گزرتی ہے تو ایک مقام سے دوسرے مقام میں حرکت یا فورس منتقل ہوتی ہے۔ قوت تو ایک ہی ہے مگر تین آلات کے اختلاف سے اس میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

بجسہ یہی حال انسانی روح کا بھی ہے۔ کیونکہ جب وہ مقام عقل میں کام کرتی ہے۔ تو خیالات پیدا ہوتے ہیں اور جب وہ مقام نفس میں کام کرتی ہے تو خواہشات۔ احساس اور محبت و نفرت۔ حسد و عداوت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور جب وہ مقام اجسام یا ماوسے میں کام کرتی ہے تو افعال غیر ارادی جیسے دل اور عضلات کی حرکتیں میں پیدا ہوتے ہیں اور ان افعال غیر ارادی میں عادتیں بھی شامل ہیں۔

ان افعال غیر ارادی سے جو جسم کے تمام اعضا میں پائے جاتے ہیں ہمارے دماغ یا روح اسفل کو کوئی تعلق نہیں۔ کبھی کبھی ہمیں کسی خاص موقع

اور محل پر ان افعال کا اور اک ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب ناگہانی طور پر ہم پر کوئی لاٹھی مارتا ہے۔ تو فوراً ہمارے علم اور ارادے کے بغیر ہمارے دو وزن ہاتھ اوس لاٹھی کی طرف ہو جاتے ہیں۔ روح اعلیٰ کے ان تمام اور اکات کو جو اعضائے جسم میں موجود ہیں ہم احساس طبعی یا تحتی کہتے ہیں۔ جو روح ہمارے دماغ کے وزلیہ سے بحالت بیداری ظاہر ہوتی ہو اور جو ہم میں سوچتی اور سمجھتی ہے ہم اس کو روح اسفل یا روح بالفعل کہتے ہیں اور جو روح عام طور سے ہمارے دماغ کے وزلیہ سے بحالت بیداری ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اس کو ہم روح اعلیٰ کہتے ہیں اس روح کا ظہور اسی وقت ہوتا ہے جب انسان فن مراقبہ سیکھتا ہے۔ اور حدیث نفس یعنی روح اسفل کے افعال کو معطل کر دینے کی قوت حاصل کر لیتا ہے۔

الغرض روح کے تین رخ یا پہلو ہیں اور ہر رخ کے اعتبار سے ہم اسکو تین قسموں میں منقسم کرتے ہیں۔ اول قسم کو ہم روح طبعی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہی ایک روح جب اعضائے جسم میں کام کرتی ہے۔ تو اس کو یہ نام دیا جاتا ہے۔ دوسرے قسم کو ہم روح بیدار کہتے ہیں۔ جو حالت بیداری میں کام کرتی ہے۔ تیسری قسم کو ہم روح اعلیٰ کہتے ہیں جو بحالت مراقبہ یا تامل حواس خمسہ ظاہری ظاہر ہوتی ہے۔

**روح طبعی جبکہ افعال غیر ارادی یا اضطراری ہوتے ہیں**

روح طبعی کے آلات اعصاب متاثرہ یا سمپٹیک نزد اور سیری برو



اسپائنل سسٹم یا صلب کے بعض مرکز ہین جن کے ذریعہ سے اس کے افعال ظاہر ہوتے ہین۔ روح طبعی کے فرائض یہ ہین کہ وہ جسم کے سیلز یا ورات کو انضباط میں رکھتی ہے۔ اور جسم کے مختلف اعضا کو افعال کے ترتیب دیتی ہے اور جو افعال بغیر ہمارے خیال کے ان اعضا سے اضطراری طور پر ظاہر ہوتے ہین۔ ان کی یادداشت کو بھی محفوظ رکھتی ہے۔

اسی روح طبعی کو ہم عادت۔ عقل حیوانی۔ خلقی۔ افعال خلقی اور طبعی کے ناموں سے موسوم کرتے ہین۔ مثلاً جب ہم لکھنا سیکھتے ہین۔ تو ہم کو لکھنے کی پہلی کوششوں میں مشکل اور تکلیف محسوس ہوتی ہے اور ہمارا دماغ لکھنے کے فعل کو محسوس اور اوراک کرتا ہے۔ اور اسوقت لکھنا کا فعل ارادی ہوتا ہے۔ ہم قلم چلانے سے پہلے سوچتے اور لکھنے کا ارادہ کرتے ہین اور پھر بڑی مشکل سے ایک ایک حرف بناتے ہین مگر جب ہم ایک مدت تک اس لکھنے کے عمل کو جاری رکھتے ہین اور لکھنے میں ہمیں پوری مشاق حاصل ہو جاتی ہے تو اسوقت کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی اور خیال اور ارادہ دونوں غائب ہو جاتے ہین۔ اور لکھنا فعل غیر ارادی یا اضطراری ہو جاتا ہے یعنی خود بخود ہاتھ حرکت کرتا اور قلم لکھتا ہے اور دماغ اس کی طرف مصروف نہیں رہتا۔ بلکہ وہ ان خیالات اور احساس کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ جنہیں وہ لکھنا چاہتا ہے اسی طرح سے جب کوئی سائیکل پر چڑھنا سیکھتا ہے۔ تو پہلے اسکی

ساری توجہ اور خیال اس بات پر رجوع رہتا ہے کہ سائیکل اوہر اوہر ہو جا  
 اور کسی دیوار یا درخت سے نہ ٹکرا جائے۔ مگر مشق سے یہ خیال جاتا رہتا ہے  
 اور ہم بے تکلف اس پر ہر جگہ چڑھے پھرتے ہیں۔ اس طرح یہ توجہ داغ  
 یا روح بیدار سے روح طبعی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور روح طبعی  
 خود اس کام کو کرنے لگتی ہے جس کو پہلے داغ کیا کرتا تھا۔ اس وقت  
 ہمارا داغ یا روح بیدار سائیکل کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔  
 مگر جب کوئی سائیکل پر خوب چڑھنے والا شخص پہلی بار کسی ٹرائسکل  
 سوار ہوتا ہے۔ تو اس وقت اسکی حالت قابل ملاحظہ ہے۔ کیونکہ سائیکل اور  
 ٹرائسکل کے چڑھنے میں ایک قسم کا فرق ہے۔ سائیکل میں تو وزن و ریت  
 رکھنے کے لئے جسم کو برابر رکھنا پڑتا ہے اور ٹرائسکل میں صرف منہل یا رجا  
 کی جانب توجہ رکھنی پڑتی ہے۔ چونکہ اب اسکو ایک نئی عادت کرنی  
 پڑتی ہے۔ اس لئے اسے پہلی پھل ٹرائسکل پر چڑھنا وغیرہ ہوتا ہے اور  
 وہ اس لوہے کے گھوڑے کو کسی خندق یا نالی میں گرا دیتا ہے۔

جب مشق سے کوئی حرکت طبعی ہو جاتی ہے۔ تو پھر اس کو چھوڑ کر  
 دوسری نئی حرکت کی عادت ڈالنے میں وقت لگتا ہے۔ کسی حرکت  
 طبعی اور غیر ارادی بناتے کے لئے ضرور ہے کہ ایک عرصہ دراز تک اس  
 حرکت کی مشق کی جائے۔ پہلے تو اس حرکت کے کرنے میں خیال اور ارادہ  
 دونوں سے کام لیا جائے گا بعد ازاں رفتہ رفتہ مشق اور اکتساب سے  
 دونوں باتیں جاتی رہیں گی۔ اور پھر وہ حرکت طبعی اور غیر ارادی ہو جائیگی

سالکین اسی اصول کی بنیاد پر عمدہ اخلاق اور عادات اور دیگر کمالات روحانی حاصل کرتے ہیں اور یہی عام اصول ہے جس پر تمام دینی اور دینی کمالات منحصر ہیں۔

## روح اعلیٰ

روح اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے خیالات اور احساس پیدا ہوتے ہیں جو معمولی و ماغون میں اتر کر نہیں آتے۔ کیونکہ عوام الناس کے وبلغ مقدر مقید اور محدود ہوتے ہیں کہ وہ ان عالی خیالات اور احساس کو جذب نہیں کر سکتے اور نہ ان میں ان کے ظہور کی قابلیت اور صلاحیت ہوتی ہے۔ اسی روح اعلیٰ سے اولیاء اللہ اور نبیوں اور مشاہیر اشخاص کے وماغون میں القادرات اور انکشاف ہوتے ہیں اور لوگ ان فوائد کثیر حاصل کرتے ہیں۔ ہمارے زندگی کا اعلیٰ رخ انہیں خیالات اعلیٰ کی ایک تصویر ہے۔ جب تک کسی شخص میں یہ روح اعلیٰ پائی نہ جائے اس وقت تک واقعی وہ انسان کہے جانے کے لائق نہیں۔ اگر کسی آدمی میں یہ روح اعلیٰ موجود نہ ہو۔ تو کہا جائے گا کہ وہ صرف قالب انسانی تو رکھتا ہے۔ مگر یہ قالب روح انسانی سے خالی ہے۔ ایسی صورت میں وہ حذبوں، عضلون، اور رگون کا ایک مجموعہ ہو گا جیسے کہ اور حیوان ہوا کرتے ہیں۔ جس وبلغ میں خیالات اعلیٰ نہ پائے جائیں تو وہ صرف سفید گوشت یا مخرنکے ایک کردی گولے سے زیادہ وقت نہیں رکھتا۔

انسان روح اعلیٰ کا نام ہے۔

بعض اوقات روح اعلیٰ سے وماغ میں اعلیٰ درجہ کے خیالات کا سرچشمہ پہنے لگتا ہے۔ اور یہ احساس اور خیالات عالیہ اکثر موسیقی دان اشخاص اور شاعروں کے وماغوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی واسطے فرمایا گیا ہے کہ الشعراء تلامز الرحمن یعنی شاعر حضرت رحمان کے شاگرد ہیں ان خیالات اور احساس کی خوبصورتی اور تناسب سے وہی لوگ لطف حاصل کرتے ہیں جنہیں فنون لطیفہ سے کچھ بہرہ ہوتا ہے۔ بعض وقت اسی روح کے اعلیٰ مقام سے بعض اشخاص کے وماغ میں جرات اور بہت ظاہر ہوتی ہے اور وہ دوسروں کی جان بچانے کے لئے اپنی جانوں کو تھلکے میں ڈال دیتے ہیں۔ اور بعد ازاں بہادر اور سورا کے لقب سے ملقب ہوتے ہیں۔ یہی روح اعلیٰ تھی جس نے مجاہدین کو ہر ایک مذہب و ملت میں شہیدوں کا خطاب دلایا اور جس نے ایک بہادر جنرل کی طرح جہاد کو یعنی نفس کشی میں ان سے اعلیٰ درجہ کی ریاضت اور مجاہد سے کرائے۔

## عالم مثال کے تجربوں کی یاد

بعض اوقات جب ہم رات کو خوب آرام سے سو کر جاگتے ہیں۔ تو ہمیں اپنے وہ تجربے یاد دہشتہ ہیں جنہیں ہم نے بحالت غفلت عالم مثال میں حاصل کئے تھے مگر یہ بات عام نہیں کہ جو کچھ خواب ہم رات کو دیکھیں وہ ہمیں صبح کو یاد میں اکثر جو کچھ ہم عالم مثال میں بحالت غفلت دیکھتے ہیں وہ ہم کو یاد

نہیں رہتا۔ کیونکہ دل میں دن بھر کے کاموں کے اوہورے خیالات یا دن کے ٹوٹے پھوٹے مختلف تصورات منتشر طور پر جمع رہتے ہیں۔ دماغ کوئی خود سوچنے سمجھنے والی چیز نہیں ہے۔ جس بات یا جس خیال پر وہ لگایا جاتا ہے اور جس خیال کی حرکت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی کو وہ کل کی طرح دہرایا کرتا ہے۔ جب دل کسی خاص طرف متوجہ رکھا نہیں جاتا اور وہ اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو دماغ میں کوئی زوردار خیالات یا تصورات پیدا نہیں ہوتے۔ اور ایسی صورت میں ہمارے خیالات نہایت ہی متلون اور ہورے۔ ناقص اور بے نتیجہ ہوا کرتے ہیں اور کوئی قائمہ نہیں دیتے۔ جیسے کوئی چشمہ پہاڑ سے گر کر ایک بہت بڑے ریت کے میدان میں چاروں طرف پھیل جائے تو اس پانی سے ایک گھاس کا تنکا بھی نہ بچے گا۔ مگر جب وہی پانی ایک چھوٹی نہر میں ڈالا جاتا ہے۔ تو اس میں کشتیان چلنے لگتی ہیں اور تمام ملک کی زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔

طبعاً جب ہم خواب یا سونے سے بیدار ہوتے ہیں اور ہماری روح اس عالم غیر مری سے پھر اس قالب میں داخل ہوتی ہے تو ہم اپنے دماغ کو طرح طرح کے خیالات ناقص اور نامکمل سے بھر ہوا پاتے ہیں۔ جن کا دور کرنا مشکل ہے مگر تھوڑی سی محنت اور توجہ سے دماغ کو ایسا تربیت کر سکتے ہیں کہ جو کچھ سونے کی حالت میں ہم عالم مثال میں دیکھیں وہ ہمیں بحالت بیداری یاد رہے۔ اور ہم اس سفر آخرت سے جو ہمیں ہر روز درپیش ہوا کرتا ہے نوادہ کثیر اٹھایا کریں۔ بعض معمولی آدمیوں کو بھی یاد جو اس کے کہ ادن کے دماغ کو

کوئی تربیت نصیب نہیں ہوئی۔ عالم مثال کے واقعات یعنی خواب یا دوسرے ہیں۔ اور اسی وجہ سے انہیں کبھی سچے خواب بھی پڑتے ہیں۔ سچے خواب واقعات مثالی ہیں جو بحسنہ ہیں بعد بیداری یاد رہتے ہیں۔

## آئندہ واقعات کا مشاہدہ

عوام الناس بڑی مشکل سے اس بات کو باور کر سکتے ہیں کہ انسان آئندہ ہونے والے واقعات کو بعینہ خواب یا حالت مراقبہ میں دیکھ سکتا ہے اور اس کو ان واقعات کی پوری یاد بیداری کے بعد رہ سکتی ہے۔ اگر ہم ایک چھوٹی سی پہاڑی پر کھڑے ہوں جس کے اطراف ایک ریلوے لائن واقع ہے اور ہم دیکھیں کہ دونوں طرف سے دو ریلین اسی ایک پٹری کے مقابل کے سمتوں سے آرہی ہیں۔ تو ہم عقل سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ کس مقام پر کس وقت ان میں تصادم واقع ہوگا اور آپس میں ٹکرائیں گی۔ حالانکہ جو لوگ ان ریلوں میں سوار ہوں گے انہیں اس آئندہ واقعہ کی ذرا بھی پہلے سے خبر نہ ہوگی۔

اسی طرح جب ہم عالم مثال میں ہوتے ہیں جو بہتر پہاڑ کے ہے تو ہمیں اہل دنیا کے آئندہ واقعات اپنی باطنی آنکھ سے نظر آتے ہیں۔ اور ہم انہیں دیکھ کر آئندہ کی نسبت پیشین گوئی کر سکتے ہیں۔

عالم آخرت سے تعلق پیدا کرنا یا عالم ملکوت سے

## ۸۶ اور جبروت کا کھانا

جب ہم سخت مجاہدے اور ریاضت سے اپنے جسم و مانع اور اعصاب کو ظاہر اور پاک کرتے ہیں اور اس میں عالم آخرت کی تار برقیان رسید یا حصول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اس وقت ہماری باطنی نظر کھل جاتی ہے اور ہمیں اسرار غیبی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ مگر یہ باطنی قوت حقیقت ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ یہ قوت خلقی طور پر ہر آدمی میں موجود ہے۔ مگر اسکے ظہور اور نمو و ترقی کے لئے کتاب اور مجاہدے کی ضرورت ہے ہموں اور اس ذاتی قوت میں فرق یہ ہے کہ معمول بنانے کی حالت میں ہم دوسری روحوں کا کام لیتے ہیں۔ اور اپنی ذاتی قوت سے ہم خود عالم مثال کی سیر کر سکتے ہیں معمول صرف ایک درمیانی شخص ہے جس کے ذریعہ یا وساطت سے ادواج عالم مثال کے حالت بیان کرتی ہیں۔ اور ہم اپنی باطنی ترقی سے خود عالم مثال کی انشیا کو دیکھتے ہیں۔

قدیم زمانہ سے ہندوستان میں اس باطنی قوت کو ترقی دینے کے دو ہی ذریعہ رائج ہیں۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے جس کو ہم ”ہٹ جوگ“ یعنی نفس کشی کہتے ہیں۔ اس طریقہ کا اصل اصول یہ ہے کہ لبض جسمانی اکتساب اور اشتغال کے ذریعہ سے جسم اور حواس خمسہ کے احساس اس قدر معطل کر دیے جائیں کہ ان میں خارجی اشیا کی تحریک ہی پیدا نہ ہو۔ جیسے آنکھوں یا کانوں کا بالکل بند کر لینا وغیرہ ہے۔ چونکہ ہٹ جوگ صرف جسم ہی سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کے اکتساب سے صرف ابتدائی باطنی قوت ظاہر ہوتی ہے۔

اور باقی قوائے دماغی میں ترقی نہیں ہوتی۔ اور روحانی قومیں بدستور باقی  
پست حالت میں رہتی ہیں۔

عالم آخرت کے انکشاف کا دوسرا طریقہ راج جوگ ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے  
جس کے ذریعہ سے تمام روحانی اور قلبی قومیں ترقی کرتی ہیں۔ اور اس  
جوگ کے ذریعہ سے جس کو ہم مراقبہ کہتے ہیں انسان اپنی توجہ اور قوت ارادی  
استقرار ترقی دے سکتا ہے کہ وہ جب چاہے اپنی توجہ کو اس عالم مادی سے  
ہٹا کر دوسرے عالم یا مثال وغیرہ کی طرف کر لے اور اس تدبیر سے وہ غیر مری  
عالموں میں حسب دلخواہ پہنچ جائے۔ اور ان کی اشیاء کو اپنی باطنی آنکھ سے مشاہدہ کرے۔

## فصل ۲۔ عالم مثال کے دیکھنے کی ادنیٰ ابتدائی قوت

عالم مثال کے دیکھنے کی ادنیٰ ابتدائی قوت قدیم قوم اطلاعات میں

بڑے بڑے کامل مرشدوں اور مہاتماؤں نے اپنے علم باطن سے  
یہ دریافت کیا ہے کہ نہایت ہی قدیم زمانہ میں ایک بہت وسیع براعظم  
آباد تھا جو اس ہمارے زمانہ میں غرق آب قلم ہے اور ہم اس سمندر کو جو  
اس آبادی پر موج زن ہے بحر اطلاعات کہتے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ  
وسیع مقام پر ہزاروں شہر اور گاؤں آباد تھے۔ انگلروں اور دیگر میوجات  
سرسبز باغات اپنی خوشنالی سے دلوں کو نر و تازہ کرتے تھے۔ اور ہرے ہرے



لہلہہاتے کھیت کو سون سلسل نظر کو اپنے ولفریب منظر سے سرور بخشے تھے۔  
 ہر لون کے گلے اور شیر چیتوں کے تنہا مقام جنگلون اور جھاڑیوں میں بکھرت  
 دکھائی دیتے تھے۔ اور آج وہ زمانہ ہے کہ جد ہر نظر اٹھاؤ سوا پانی کے  
 اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ وہ سارا خوشنما منظر نظروں سے غائب ہو گیا۔ نہ  
 وہ تمدن رہا اور نہ وہ تہذیب و شائستگی۔ کل من علیہا خان و بقا و بربک  
 ذوالجلال والا کرام۔ نہ وہ انسان رہے اور نہ وہ اون کے مکانات اور  
 مصنوعات رہے۔ آخر کو وہی ایک ذات جو ہمیشہ تھی اور ہمیشہ رہیگی  
 باقی رہی۔ اگرچہ کہ یہ قدیم زمانہ کی تہذیب بعض لحاظ سے اس ہمارے زمانہ  
 کی شائستگی سے بڑھی ہوئی تھی۔ مگر اس کے مظالم اور گناہوں اور نافرمانیوں نے  
 اس قدر وسیع ملک کو غرق آب و خجالت کر دیا اور دنیا کو یہ دکھا دیا کہ خداوند تعالیٰ  
 عادل حقیقی ہے جو کچھ خرابی اور تباہی آتی ہے وہ انسان کے اعمال بد کا نتیجہ ہے  
 غصہ۔ ہرچہ بر تو آید از ظلمات و غم و این زیبا کی و گستاخیت ہم  
 انھیں غیبی جبرٹروں اور باطنی المشاؤن سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ  
 اس برا عظم مغروق کے باشندوں پر عالم مثال کھلا ہوا تھا۔ اور وہ اپنی آنکھوں سے  
 اس کو اس طرح دیکھتے تھے کہ انھیں یہ دنیا اور عالم مثال دونوں یا ہم ملے ہوئے  
 دکھائی دیتے تھے۔ مگر اس قوم کے عقلی قوانین کوئی زیادہ ترقی نہ تھی۔ انکی  
 دماغ اس قدر ترقی یافتہ نہ تھے جس قدر کہ اس ہمارے زمانہ کے دماغ ہیں۔  
 ان میں بہ نسبت عقل کے احساس زیادہ تھے۔ وہ سوچتے کم تھے۔ مگر محسوس  
 زیادہ کرتے تھے۔ وہ کسی ایک بات کو دیر تک سوچنے اور اون کے اسباب

و نتائج پر غور کرنے کی زیادہ قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ مگر وہ جلدی مشغول ہو جانے اور زیادہ عشق و نفرت سے جوش میں آ جانے کی بہت زیادہ قابلیت رکھتے تھے۔

اب یہاں پر خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے دماغ اور اعضاؤ جسمانی کی ساخت میں ایسی کون سی خصوصیت تھی کہ انھیں عالم مثال خلقاً کھلا ہوا تھا۔

## انسانی جسم میں عالم مثالی کے مرکز

اکثر اشخاص جو فن تشریح یا جراحی سے واقف ہیں انھیں معلوم ہے کہ انسان کے جسم میں دو قسم کے اعصاب ہیں۔ ان میں سے ایک کو تو "سیری بریٹیل" کہتے ہیں جس میں دماغ اور حوالم مغز شامل ہے اور دوسرے کو اعصاب ہڈری (سمپٹیٹک نروس) کہتے ہیں۔ یہ اعصاب ریڑھ کے مہرون کی دونوں جانب واقع ہیں اور ان سے باریک اعصاب کا جال نکل کر جسم کے دونوں جانب پھیلا ہوا ہے۔ کہیں کہیں ان اعصاب ہڈری کا جال بہت باریک اور گنجان ہو گیا ہے۔ جنھیں اہل تشریح عقد (پلیکس) کہتے ہیں۔ ان گانٹھوں میں سے عقد شمسی (سولر پلیکس) زیادہ مشہور و معروف ہے۔ مگر اہل تشریح یا ڈاکٹروں کو ان عقود یا چکروں کی باطنی خصوصیت زیادہ معلوم نہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ہر چکر یا عقد عالم مثال سے ایک بہت بڑا ربط رکھتا ہے اور انھیں چکروں پر عالم اجسام اور عالم مثال دونوں باہم اتصال

قوی رکھتے ہیں۔ قوم اطلاعات میں یہی چکر زیادہ ترقی کر گئے تھے۔ اور بحیثیت اجتماعی تمام اعصاب ہمدردی ان میں پورے طور پر نمایاں تھے۔ اور انہیں ابھرے ہوئے اور ترقی یافتہ چکرون اور اعصاب ہمدردی کے ذریعہ سے عالم مثال کی تحریک بکثرت اُن تک پہنچتی تھی۔ اور وہ عالم مثال کی چیزوں اس عالم مادی کی اشیاء کی طرح تجزیہ دیکھتے تھے۔ ان کی روحانی آگاہی یا توجہ ان ابھرے ہوئے اعصاب ہمدردی میں اسی طرح کام کرتی تھی جب طرح کہ وہ ادن کے غیر ابھرے یا نامرتبیت یافتہ دماغوں میں کام کرتی تھی۔ اور اس کارروائی کا نتیجہ صرف یہی نہ تھا کہ ان پر عالم مثال کھلا تھا۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ آجکل جو باتیں ہم میں امور طبعی یا غیر ارادی ہیں وہ انہیں طبعی نہ تھیں بلکہ ارادی اور فکر سی تھیں۔ مثلاً حرکت قلبی جو ہم میں ایک امر طبعی یا غیر ارادی ہے یعنی خود بخود قلب کی حرکت ہوتی رہتی ہے یا معدہ کا فعل ایک امر طبعی ہے جو اپنے آپ واقع ہوتا رہتا ہے یہ سب امور طبعی اس قوم اطلاعات کو غیر طبعی تھے۔ یعنی ان کی حرکت قلب معدہ حرکت ارادی تھی۔ اور انہیں بالارادہ قلب اور معدے کو حرکت دینا پڑتا تھا اور وہ قلب اور معدہ کی حرکت کو محسوس کرتے تھے۔

گو قوم اطلاعات پر عالم مثال کھلا ہوا تھا۔ مگر اس عالم اور اس دنیا و دوزخ کی تصورات اور معلومات ان کے ذہنوں میں اجالی اور سطحی تھے۔ کوئی تفصیلی علم انہیں دنیا کا یا عالم مثال کا حاصل نہ تھا۔ جو اس زمانہ کے ایک سالک کو حاصل ہوتا ایک باضابطہ تربیت یافتہ سالک مخصوص چکرونی کو کام میں لاتا ہے اور اس

غیر مری دنیا کی اشیا کو تفصیل وار دیکھتا ہے۔ یہ مخصوص چکر یا مرکوز واقعے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں عالم مثال اور دیگر عالموں کے ساتھ ایک خاص خصوصیت ہے۔

## قوائے عقلی کی ترقی

صد ہا برسوں کے گزرتے کے بعد انسان کے قوائے وماغی میں ترقی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس عقلی ترقی کے مطابق وماغ کے ماٹھے اور ساخت میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی اس ترقی کے اعصاب ہمدردی کے افعال اور احساس بتدریج طبعی اور غیر ارادی ہوئے ہیں۔ کیونکہ اب وماغ یا فکر سے ان کی ذمہ داری یا خبر داری کا بار اٹھ گیا ہے۔ قوائے عقلی اور فکری کا نمو اور قوائے اعصاب ہمدردی کی جگہ پر ان کا قایم ہونا ہمارے اور لاکھوں برس کے عرصہ اکتساب میں تکمیل کو پہنچا ہے۔ اور اب تک باوجود اس مدت وراز کے ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن کے قوائے عقلی اس قدر لپٹ اور ناترقی یافتہ ہیں کہ بہین اس گزشتہ مغفوقہم اطلاعات کی یاد دلاتے ہیں جن میں عقل تو کم تھی۔ مگر احساس زیادہ تھے۔ یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ قوم اطلاعات کو فنا ہوئے لاکھوں برس کا زمانہ گذرا اور اب تک بعض قوائے احساس کی وہی ابتدائی حالت قایم ہے۔ لوگوں کو اکثر اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ بعض اشخاص میں احساس تو زیادہ ہیں مگر وہ عقلی قوامیں معمولی آدمیوں سے زیادہ نہیں۔ ان کی عقلیں

ایسی روشن نہیں جیسے کہ ان کے احساس۔ وہ مقدمات منطقی کو ترتیب کو نہیں سکتے۔ مگر ان میں احساس کا مادہ بہت بڑا ہوا ہے۔ یہ بات کوئی تعجب کی نہیں۔ اس لئے کہ ان کے قوائے عقلی میں ابھی زیادہ ترقی نہیں ہوئی اس ترقی کے لئے انھیں اس دار فانی میں صد ہا مرتبہ مر مر کے پیدا ہونا پڑا اور تدریج ان کے قوائے عقلی نوکریں گے۔ اور یہ ابتدائی حالت وہی غائب ہو جائے گی۔ اور اس کی جگہ عقلی قوا کی ترقی پیدا ہوگی۔

معمولی آدمیوں میں جن کی تمدنی یا عقلی ترقی کسی قدر ہوئی ہے۔ یہ عالم مثال کے دیکھنے کی قوت تدریج کم ہوتے ہوئے مفقود ہو گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی دماغی اور عقلی ترقی بالمتناسب ظاہر ہوئی ہے۔ یعنی جس قدر عقل ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس قدر عالم مثال کے دیکھنے کی قوت گھٹتی جاتی ہے۔ مگر یہ عقلی ترقی انسان کو کوئی ایک زندگی یا جنم میں حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ صد ہا زندگیوں اور جنموں میں وہ اس مقام پہنچتا ہے۔ اس بیان اس بات کی تشریح اور توجیہ بخوبی کی جاسکتی ہے کہ اس ہمارے زمانہ میں بعض اشخاص ایسے موجود ہیں جن کے قوائے عقلی تو بہت ہی گھٹے ہوئے ہیں۔ مگر وہ خلقاً عالم مثال کے دیکھنے کی قوت رکھتے ہیں۔ بعض اوقات ہمارے دل میں خود بخود پریشانی اور بیقرار محسوس ہوتی ہے۔ جسکو ہم طبیعت کا گھبراہٹ کہتے ہیں۔ اور یہ پریشانی اور گھبراہٹ کسی آئندہ مصیبت یا حادثہ کی پیشین گوئی کرتی ہے۔ مگر ہم اس بات کو ذرا بھی نہیں سمجھتے۔ اور اپنی اس قوت اور اک مثال سے بالکل بے خبر ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض اشخاص ہمارے اوپر کے بیان کو تسلیم نہ فرمائیں۔  
 جسکی بنیاد انکشاف اور علم لدنی پر ہے۔ اس لئے ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے  
 کہ انکی تشفی کسی عقلی دلیل سے کر دی جائے۔

علم حیوانات کے ماہرین نے اس بات کا مشاہدہ متواتر کیا ہے کہ  
 بعض جانور طوفان یا کسی حادثہ کے واقع ہونے سے پہلے اس سے واقف  
 ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ اونٹ عربستان کے ریتلے میدانوں میں جب طوفان  
 ہوا آنے والا ہوتا ہے تو ریت میں اپنے منہ چھپا لیتے ہیں۔ اسی طرح کتے  
 اور بلیاں جب کوئی زلزلہ آئے کو ہوتا ہے۔ تو کسی پناہ کی جگہ چھپ جاتی  
 ہیں۔ الغرض اکثر حیوانات آئندہ کے حوادث اور آفات سے پہلے ہی واقف  
 ہو جاتے ہیں۔ جس سے بخوبی ثابت ہے کہ ان پر عالم مثال کھلا ہوا ہے۔  
 مگر انسان عام طور پر ان حوادث و ہر سے اس وقت تک واقف نہیں  
 ہوتے جب تک وہ ظہور میں نہ آجائیں۔ ظاہر ہے کہ آدمیوں میں حیوانات  
 کی نسبت دلغ ترقی یافتہ ہے۔ مگر قوائے احساس کم ہیں۔ اسی طرح جنگلی  
 قوموں میں بعض اشخاص پر عالم مثال کھلا ہوا ہے۔ مگر عقلین ان میں کم  
 ہیں۔ برخلاف اس کے شہری اور تمدنی اشخاص میں قوائے احساس  
 نہایت ہی کم زور ہیں اور بہت ہی کم ان میں عالم مثال کے دیکھنے کی قوت  
 پائی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نوزائیدہ بچے پر عالم مثال کھلا ہوتا ہے اور وہ پہلے اسی کو  
 دیکھا کرتا ہے۔ اور جس قدر اس کے حواس ظاہری ترقی کرتے جاتے ہیں۔

اور اس مادی عالم کی طرف متوجہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر عالم مثال اس کی نظر و  
سے غائب ہوتا جاتا ہے۔ بعد ازاں حواسِ حسہ اور وماغ کی ترقی کے ساتھ  
اس میں عالم مثال کے دیکھنے کی قوت سلب ہوتی جاتی ہے۔ یہ سب  
واقعات حق کی تکذیب کی کسی کو جرات نہیں ہو سکتی اس پر پوری شہادت  
دیتے ہیں کہ دنیا میں قومِ اطلاعات موجود تھی اور اس پر عالم مثال کھلا ہوا  
تھا اور وماغی ترقی اور تمدن اور معاشرت انسانی کے ساتھ ساتھ اس  
قوت دید مثال میں زوال ہوتا گیا ہے۔

## درمیانی حالت

اس زمانہ میں انسان کی حالت درمیانی ہے۔ واقعی اس کو وماغی اور  
عقلی ترقی حاصل ہوئی ہے مگر ساتھ ہی اس کے اسکی وہ عام ابتدائی باطنی نظر  
جاتی رہی ہے جس سے بالاجمال وہ عالمِ باطن یا مثال کا مشاہدہ کرتا تھا۔  
اگرچہ بعض اشخاص نے اس زمانہ میں عالم مثال کی وہ تیز نظر پیدا کی ہے جو  
اس کے تفصیلی حالات سے لطف اٹھاتی ہے۔ جو لوگ اس عنصری  
قابل کے ساتھ عالمِ باطن یا مثال میں رہنے کی عادت کرتے ہیں انہیں کی  
نظر باطنی کھل جاتی ہے اور وہ عالمِ آخرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں  
اور اب وہ زمانہ قریب آگیا ہے کہ اکثر اشخاص میں عالم مثال کے دیکھنے کی  
باطنی نظر اچھی طرح سے پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ اکثر اشخاص کے وماغ اور  
اعصاب ترقی کر چکے ہیں۔ اور ان کی قلبی اور روحانی قوتیں زور و جوش میں

اور ان میں اس قدر قوتِ ارادی کا ظہور ہو چکا ہے کہ اب وہ عالم مثال کے مشکل اور دقیق مسائل کو بخوبی سہولت کے ساتھ حل کر سکتے ہیں۔

اس زمانہ میں ہمیں اختیار ہے کہ ہم یا تو آگے بڑھیں اور ترقی کریں یا تنزل کریں اور پیچھے ہٹیں۔ اگر ہم اپنی باطنی نظر کو ترقی دین گے اور اعلیٰ درجہ کے روحانی قوتیں حاصل کریں گے۔ تو ہمیں ترقی نصیب ہوگی۔ اور اگر اسی ابتدائی نظر کو پھر از سر نو ٹالائیں گے۔ تو واقعی ہمیں ایک قسم کا تنزل ہو جائیگا جنہوں نے روحانی قوا کا اکتساب پورے طور سے کیا ہے۔ اور کسی مرشدِ کامل کی نگرانی میں راہِ سلوک کے مختلف مقامات طے کئے ہیں۔ وہ اس بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ آج کل عالم مثال کے کھلنے کے جو طریقے یورپ اور امریکہ میں شائع ہیں ان سے کوئی روحانی ترقی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ لوگ انہیں اور پیچھے کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ان طریقوں سے عالم مثال کے اسفل طبقات بہت جلد ہی اور آسانی سے کھل جاتے ہیں۔ برخلاف اس کو اعلیٰ درجہ کی باطنی نظر مدقون اور مدقون کے بعد کھلتی ہے۔ ان دونوں طریقوں میں جو یورپ اور ہندوستان میں رائج ہیں فرق اتنا ہے کہ ایک تو جلدی کی راہ ہے اور ایک دیر کی۔ صرف جلدی اور دیر کا فرق ہے مگر جو ترقی دیر میں ہوتی ہے وہ اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اور جو جلدی ہوتی ہے وہ محض طبعِ کاری اور غامضی ہے۔

اور دوسرے چکر اور مرکز

ان مرکزوں میں چکروں کے علاوہ جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں دوسرے او



مرکز اور چکر بھی ہیں جو عالم مثال کے دیکھنے کے لئے بعض اوقات استعمال کئے جاتے ہیں۔ علم افعال اعضا (فریا لوجی) سے دریافت ہو چکا ہے کہ وہاں خمسہ میں سے ہر ایک آلہ حس اعصاب کے وزلیہ سے دماغ سے ملا ہوا ہے اور ہر حس کا مرکز دماغ میں موجود ہے۔ مگر یہ بات ڈاکٹرون اور طبیبون کو معلوم نہیں کہ ہر مرکز دماغی کا ایک مرکز مثالی بھی موجود ہے۔ اور ان مثالی مرکزوں اور دماغی مرکزوں میں اتصالی تعلق ہے۔ اور اس طرح جسم کثیف جسم لطیف سے ربط اور ضبط رکھتا ہے۔

جب شعاع آفتاب آنکھ پر پڑتی ہے تو آنکھوں کے اعصاب بینائی کو حرکت ہوتی ہے اور یہ تحریک انھیں اعصاب کے وزلیہ سے دماغ کو مرکز بینائی کو پہنچتی ہے یہ تحریک یہاں ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ دماغ مثالی کے مرکز بینائی تک پہنچتی ہے اور وہاں شعاع کی روشنی اور رنگ محسوس ہوتے ہیں۔ تمام احساس وجود مثالی میں پیدا ہوتے ہیں۔ جسم عنصری کسی چیز کو محسوس اور معلوم نہیں کرتا۔ صرف جسم مثالی ہی ہر شے کو محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ دماغ محض ایک آلہ ہے جس کے توسط سے خارجی تحریک باطن کو پہنچتی ہے اور باطنی تحریک خارجی یا ظاہری جسم تک آتی ہے۔ مگر یہ نقل و حرکت نہایت ہی سریع اور قوی ہے۔

آلات حواس خمسہ میں سے ہر آلہ حس یعنی ناک۔ کان۔ آنکھ وغیرہ کلاہیک مرکز مادی دماغ میں اور ایک مرکز وجود مثالی میں موجود ہے۔ مگر اس سے مطلب یہ نہیں ہے کہ علم ظہر پر یہ مثالی مرکز کوئی آلات احساس ہیں اور ہماری

ناک - کان اور آنکھ کی طرح شکل و صورت رکھتے ہیں عموماً وہ تو صرف ایک قسم کے تعلقات ہیں جن کے ذریعہ سے روح تک خارجی تحریک پہنچتی ہے۔ مگر جب بعض اعمال و اشغال کئے جاتے ہیں جنہیں ہم آئندہ فصل میں بیان کریں گے۔ تو اس وقت مشق اور اکتساب سے یہ مثالی مرکز یا چکر ترقی کر جاتے ہیں۔ اور ابتدائی مثالی چشم و گوش میں ظاہر ہوتے ہیں جنہیں باطنی آنکھ اور کان کہتے ہیں۔ انہیں ابتدائی باطنی چشم و گوش کے ذریعہ سے ہم عالم غیب کی اشیا کا معاہدہ کرنے لگتے ہیں۔ اور ہمارا دماغ ان غیبی معلومات کو یاد رکھتا ہے۔ اور اس وقت یہہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم پر عالم مثال کے طبقات کھل گئے۔

## دوسری آنکھ یعنی چشم باطنی

یہی وہ چشم بصیرت یا باطنی آنکھ ہے جس کو اہل سلوک اپنی محنت اور ریاضت سے پیدا کیا کرتے ہیں اور بعض اوقات عام لوگوں کو بھی جنہوں نے کوئی ذکر و شغل نہیں کیا یہ آنکھ نصیب ہو جاتی ہے بعض نیک اشخاص اور پرہیزگار مرد اور عورتیں ایسی پائی جاتی ہیں جنہیں خود بخود بغیر کسی معین اور مقررہ طریقہ سلوک کے یہہ چشم و گوش باطنی نصیب ہیں۔ ان لوگوں میں مثالی مرکز اس قدر ابھرے اور نمودار ہوئے ہیں کہ وہ اپنے سامنے عالم مثال کے لوگوں اور اشیا کو دیکھتے ہیں۔ بعض اشخاص کو صحیح خواب

پڑتے ہیں اور بعض آنکھیں بند کر لینے سے عالم مثال کی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ اور بعض کھلی آنکھوں سے اس عالم مثال کا معائنہ کرتے ہیں۔ چونکہ دنیا کا ہر ایک واقعہ پہلے عالم مثال میں گزر چکنا ہے۔ اس لئے چشم باطنی رکھنے والا شخص اس کو اس کے واقع ہونے سے پہلے ایک ہفتہ یا ایک ماہ یا ایک سال پیشتر ملاحظہ کر چکنا ہے۔ اور اس واقعہ آئندہ کی پوری تصویر اس کے سامنے آ جاتی ہے۔ وہ اس واقعہ کو یاد رکھ سکتا ہے۔ اور اس کی خبر دوسروں کو بھی دے سکتا ہے۔ اسی خبر کو ہم پیشین گوئی کہتے ہیں۔ جس سے لوگوں کو حیرت ہوتی ہے۔

## چشم باطنی پیدا کرنے کے اکتساب

چشم باطنی کے پیدا کرنے کے لئے دو نو قسم کے مرکز یا چکر ابھارے یا منو کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو وہ چکر ہیں جو آلات حواس ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو اعصاب ہمدردی یا سمپتھٹک نروس سے متعلق ہیں۔ ان چکروں کی ترقی کے لئے مختلف اشغال اور ریاضتیں بنائی گئی ہیں۔ جنہیں ہم مہٹ جوگ کہتے ہیں۔ یہ جوگ نہایت ہی قدیم زمانہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ بعض متقیین کہتے ہیں کہ یہ اشغال اور اکتسابات قوم اطلاعات سے جواب معقود ہے۔ آری لوگوں کو پھیسے تھے اور مہٹ جوگ آریا ہندوستان میں آئی۔ تو وہ یہاں رائج ہوئے۔

اس وقت ہم کو اس تحقیقات سے مطلب نہیں کہ ابتدائی اشغال اور ریاضتیں کہاں سے آئی ہیں جنہیں ہٹ جوگ یا سخت بدنی ریاضات کہتے ہیں۔ مگر اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہندوستان میں ہزاروں برس سے یہ جوگ پایا جاتا ہے۔ اور لوگ اس کی تعلیم خفیہ یا سہینہ بسینہ کرتے چلے آتے ہیں۔ اس جوگ سے عالم انشان کے افضل طبقات کھل جاتے ہیں اور ہندوستان کے مرشدوں میں اس کا رولج بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ چونکہ ہندوستان کے اشخاص قدیم زمانہ سے یہ خصوصیت رکھتے ہیں کہ وہ کسی نئی اصلاح یا طریقہ کو بری شکل سے سخت مزاحمت اور مخالفت کے بعد قبول کرتے ہیں اور جلد متغیر ہو جانے کی ان میں زیادہ قابلیت نہیں ہے۔ اس لئے وہ کسی ترقی یافتہ اشغال اور ریاضت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اور اسی پرانی لکیر کے فقیر ہیں جو ان کے آباؤ اجداد سے چلی آتی ہے۔ اگر انہیں کوئی آسان طریقہ یا کوئی زیادہ شدید شغل یا ریاضت بتائی بھی جائے گی۔ تو وہ اس کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔

## قدیم زمانہ کی احتیاط

اگلے زمانہ میں پیر یا گرو علم باطن کے اشغال اور اسرار اپنے مریدوں اور چلیوں کو بتایا کرتے تھے اور ان کی نگرانی اور حفاظت میں فرماتے

اشغال کا اکتساب کرتے تھے۔ اس لئے انھیں ان اشغال باطنی سے کوئی مضرت پہنچنے نہ پاتی تھی۔ کیونکہ مریدوں کی تعلیم و تربیت میں از حد احتیاط عمل میں آتی تھی۔ اور مرید اپنے مرشدوں ہی کے پاس رہ کر عمل اور اکتساب کرتے تھے اور مرشد انھیں ہر مقام کو بحفاظت تمام طے کراتے جاتے تھے اور جو مشکلات واقع ہوتی تھیں ان میں رہنمائی کرتے اور ہر مسئلہ کی غلطی میں جو ناچھیان واقع ہوتی تھیں انھیں سمجھاتے جاتے تھے اور راہ سلوک کی دشواری گزار گھاٹیوں میں اپنے مریدوں کے ہادی اور رہبر ہوتے تھے۔ مگر آجکل یورپ اور امریکہ میں جہاں ہر شخص علم باطن اور اسرار غیب کا دلدادہ ہے اس دور اندیشی اور احتیاط پر عمل درآمد نہیں ہے وہاں تو یہ حال ہے کہ لوگ دکانوں سے تصوف اور علم باطن کی کتابیں جن کے مصنف مشہور و معروف انھیں خرید لیتے ہیں اور ان کی تحریروں اور ہدایتوں پر عمل درآمد کرنے لگتے ہیں۔ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایسے جلد باز اور خوش اعتقاد آدمیوں کو باطنی مضرت آید حال ہو جائے۔

ہر شغل اور ہر عمل ہر شخص کے لئے موزون اور مناسب نہیں۔ مرشد اور گرو کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے مرید کی صحت جسمانی اور مزاج کے لحاظ سے کوئی شغل اس کے لئے انتخاب کرے۔ کیونکہ اگر اشغال اور مراقبات میں پوری احتیاط عمل میں نہ آئے گی۔ تو جسم اور دماغ کے

نازک اجزا اور باریک اعصاب کو بجائے فائدے کے نقصان پہنکا  
 اس کے علاوہ ہندوستان کے اشخاص میں مدت ہائے  
 وراژ کے رسم و رواج نے ایک خاص قسم کی قوت اور قابلیت  
 پیدا کر دی ہے اور ہند اور یورپ کے باشندے رسم و رواج  
 اور ذاکل و شرب کے لحاظ سے بہت اختلاف رکھتے ہیں اور یہ  
 فرق ان میں بطور وراثت طبعی کے چلا آتا ہے۔ ہزاروں برس سے  
 ہندوؤں میں گوشت اور شراب کا رواج نہیں اور شریف قومیں مثلاً  
 برہمن شراب اور گوشت کو مطلق استعمال نہیں کرتے۔ اہل اسلام  
 میں بھی شراب کی سخت ممانعت ہے اور ہندوستان کے مسلمان  
 عموماً گوشت کو بھی زیادہ استعمال نہیں کرتے۔ اور اکثر مرید اور  
 سالکین راہ طریقت گوشت سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس لئے  
 ہندوستان کے اشخاص کو علم باطن کے اکتساب میں سہولت واقع  
 ہوتی ہے اور انھیں کوئی جسمانی اور روانی مضرت پہنچنے نہیں پاتی  
 برخلاف اس کے یورپ اور امریکہ کے لوگ جو صد ہا برس سے  
 صرف گوشت اور شراب ہی پر زندگی کا مدار سمجھتے ہیں اور جن کی  
 عادات میں موروٹی ہو چکی ہیں ان اشغال اور اکتساب میں بہت کچھ  
 صعبیت اور دشواری محسوس کرتے ہیں اور ان اشغال کے اکتساب  
 سے اکثر انھیں کوئی خاص مضرت پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ اکثر یہ اشغال  
 ان اشخاص کے لئے خوف ناک ثابت ہوئے ہیں جو کھانے پینے میں

احتیاط نہیں کرتے۔ شراب اور گوشت حصول علم باطن کے لئے ایک بڑی سد راہ ہے۔ یورپ اور امریکہ کے سالکین ان خیراتوں سے بڑا بھی اجتناب نہیں کرتے اور اس لئے وہ ان اکثر شخص خاص ایسے پا کر جاتے ہیں جن کے دماغ اور اعصاب کو ان اشغال کی وجہ سے نقصان ہوا ہے۔

## بعض نقصانات یا مضر تین

میرے ایک دوست انگریز نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ مینٹ امریکہ مین لیکچر دینے کی غرض سے سیاحت اختیار کی تھی اور وہ ان کے ممالک کا اچھی طرح دورہ کیا تھا۔ اس سیاحت کے درمیان مین نے ۴۲ آدمیوں کو ایسا پایا جنہیں بے وقت عالم مثال کھلنے لگی وجہ سے نقصان پہنچا تھا۔ ان اشخاص کا حال مختصراً ایذہ فضل میں بیان کیا جائے گا۔

ان میں سے کئی اشخاص نے کتابوں میں پڑھ کر حبس و دم کا شغل اختیار کیا تھا اور اپنے شش اور دماغ پر اس قدر زیادہ زور ڈالا تھا کہ ان کے شش اور دیگر اعضائے جسم کی باریک رگوں اور اعصاب کو صدمہ پہنچا تھا۔ اور امراض سینہ اور شش میں مبتلا ہو گئے تھے۔

بعض اشخاص نے اعصاب اور دماغ پر زیادہ زور ڈالنے سے

اپنی صحت جسمانی کو خراب کر لیا تھا۔ اور بعض تو خرابی و مایوسگی کی وجہ سے پاگل خانہ یا وار الجانین میں قیام رکھتے تھے۔

بعض اشخاص کے مایوسگم پر گئے تھے اور اون کی دماغی ساخت اور اجزائین شکستگی اور خلل واقع ہوا تھا۔

بعض اشخاص کے عصبی مرکزوں اور چکروں میں خلل آگیا تھا اور ان کے اس سنہرے جال میں نقصان وارو ہوا تھا جس کا ذکر ہم کسی پچھلی فصل میں کر آئے ہیں اور ان مرکزوں کی خرابی سے انھیں مختلف اشکال ہر وقت دکھائی دیتے تھے۔

ان متذکرہ بالا اشخاص کے دیکھنے سے ہر شخص کو افسوس پہنچے جنھوں نے اپنی جلد بازی سے بغیر سرپرستی کسی مرشد کامل کے اس وادی سلوک میں قدم رکھا تھا۔ چنانچہ اسی مضمون کو حضرت مولوی معنوی نے اپنی مثنوی میں ان اشعار کے ذریعہ سے بیان فرمایا:

اندرین وادی مرویے این دلیل      لا احب الاقلین گو چون خلیل

روز سایہ آفتابے را بیاب      دامن شمس تبریزی بتاب

رہ ندانی جانب این سور و عرس      از ضیاء الحق حسام الدین بہر س

خلاصہ مطلب ان اشعار کا یہ ہے کہ اس وادی میں بغیر مرشد

کامل کے قدم نہ رکھو۔ کسی شمس الدین تبریزی یعنی اپنے زمانہ کے

پیر کامل کو تلاش کرو اور اس کا دامن پکڑو۔ مگر کوئی مرشد کامل بالفعل

نہ ملے تو کسی مشہور و معروف پیر یا مرشد کے ہاتھ پر بیعت کر جاؤ



راہ سے کسی قدر واقف ہوا اور جو معمولی طور سے راہ سلوک کی  
 منازل کو طے کر اسکے۔ اگر یہ لوگ راہ سلوک کو کسی مرشد کی  
 نگرانی میں رہ کر طے کرتے اور جلد بازی اور زور و رمی کو کام میں  
 نہ لاتے اور قرآن شریف کے اس فقرہ پر کہ رابطہ او صابر و ائینی  
 اکتساب کرتے رہو اور جلدی نکر و پرعمل پیرا ہوتے تو کبھی یہ خرابیاں  
 پیدا نہ ہوتیں۔ اور عالم مثال کے اعلیٰ طبقات ان پر کھل جاتے اور  
 دنیا میں وہ نہایت ہی آسودہ اور خوش حال اشخاص ہوتے۔ اور  
 اپنی زندگی نہایت ہی آرام و راحت سے گزارتے۔ اور اس بے  
 چینی اور خرابی سے محفوظ رہتے جو انھیں بے جا اور بے ضابطہ عمل  
 و اکتساب سے لاحق ہوئی ہے اس کے علاوہ ہٹ جوگ کے  
 استعمال سے صرف وہی قوتیں ترقی پاتی ہیں جو اس مادی و مین  
 کام آتی ہیں اور مرنے کے بعد وہ قوتیں بالکل بے کار ہو جاتی ہیں  
 برخلاف راج جوگ یا اعلیٰ درجہ کے سلوک سے اعلیٰ درجہ کی باطنی  
 قوتیں ترقی کرتی ہیں۔ اور بعد موت بھی ان کی ترقی زائل نہیں ہوتی  
 اسی مقام کے مناسب کسی شخص نے کیا خوب کہا ہے کہ دانائی  
 آئندہ کی پختہ عمارت کو تیار کرتی ہے۔ اور نادانی ریت پر گھر بناتی  
 ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اکتساب روحانی میں جلدی نہیں کرنی  
 چاہیے چنانچہ سعدی صاحب فرماتے ہیں۔ شعر  
 تصور و آئینہ دل کنی صفائی بدیع محال کنی

## فصل ۷۔ چشم باطنی پیدا کرنے کی ابتدائی طریقہ

### تعطل حواس ظاہری و باطنی

غیر مری دنیا یا عالم مثال کے سرلیج اور نازک حرکات کو محسوس کرنے کے لئے جو ہمارے چاروں طرف فضائیں بھرا ہو اہی یہ ضرور ہے کہ ہم اس دنیا کی آوازوں سے اپنے کانوں کو بند کرنا اور اس کے مناظر سے اپنی نظر کو روکنا سیکھیں۔ جب تک یہ پُر شور آوازیں ہمارے کانوں میں آتی رہیں گی اور جب تک ہمارا آنکھیں اس دنیا کے مختلف رنگا میزوں کو دیکھتی رہیں گی۔ اسوقت تک عالم مثال کی نازک آوازیں ہمیں سنائی نہ دینگی اور نہ ہم اس کے نہایت ہی خوشنما منظر وں کے نظارے سے دل کو خوش کر سکیں گے۔ بازار وں کے شور و غل میں نازک باجون کی وہ بھی آوازیں کہان سنائی دیتی ہیں۔ جب کسی مقام پر پہنچنا چاہتا ہے جس میں مختلف قسم کے باجے ایک ساتھ آواز دیتے ہیں تو اس مرکب آواز میں سے کسی ایک باجے کی آواز کی شناخت کرنا تربیت یافتہ کا دل ہی کا کام ہے۔ دن کو تارے تو آسمان پر بدستور سابق موجود ہوتے ہیں۔ مگر آفتاب کی خمدید روشنی میں انھیں کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن جب سورج غروب ہو جاتا ہے۔ تو اسوقت بے انتہا تارے

دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اسی طرح جب حواس ظاہری اور باطنی کا معطل کر دینا مشق اور اکتساب سے حاصل نہ کیا جائے گا۔ عالم مثال ہرگز نہ کھلے گا۔

اگر ہم اپنے جسم کو ساکن کرنے اور حواس ظاہری اور حدیث نفس کو معطل کر دینے کی قوت حاصل کر لیں گے تو اس عالم ناسوت یا مادّی سے غافل ہو جانے کی حالت اختیار ہی ہمیں نصیب ہو جائی گی۔ جس کو ہم حالت نوم اور یقظہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ غفلت کئی طرح سے لوگ حاصل کرتے ہیں۔ میسریم کے پاسون (ہاتھ پیرنا) اور ہینا نرم کے احکام سے یہ حالت غفلت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جب کسی معمول کے جسم پر کوئی میسریم یا ہینا شخص ہاتھ پیرتا ہے یا ہینا میسریم کا عامل کسی پر کوئی حکم کرتا ہے۔ تو معمول غفلت کی حالت میں آجاتا ہے۔ بعض اشخاص فلشی اور عصا کو سن کرنے والی چیزوں کے استعمال سے غفلت پیدا کرتے ہیں مثلاً گانجے چرس۔ شراب بھنگ وغیرہ کے استعمال سے یہ غفلت پیدا کی جاتی ہے۔ بعض اشخاص ایسی چیزوں کی دھولے اور سجا لینے سے اپنے دماغ کو معطل کرتے ہیں جن سے اعصاب سست ہو جاتے ہیں۔ بعض درویش گھومنے اور چکر پھرنے سے جو ایک قسم کی گردش ووری ہے اپنے دماغ کو معطل کر لیتے ہیں اور اس تدبیر سے ان میں غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ عالم مثال کی

اشیا کو دیکھنے لگتے ہیں۔ بعض مرشدوں کو میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ جب سمع میں انہیں حال آتا ہے۔ تو وہ گردش دوری کرتے ہیں اور بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں اور ان کا دماغ اور اعصاب بالکل معطل ہو جاتا ہے۔ غرضکہ مختلف تدبیریں غفلت یا نوم یقظہ کی حالت پیدا کرنے کے لئے ہندوستان میں رائج ہیں۔

## حبس و م یا سانس روکنا

اس غفلت کو پیدا کرنے کے لئے ممالک مشرقی میں سب سے زیادہ رواج حبس و م کا ہے۔ جس کو پرانا کہتے ہیں اور اس شغل سے اب اکثر اہل مغرب بھی بخوبی واقف ہو گئے ہیں۔ حبس و م کا طریقہ یہ ہے کہ سالک کسی اسن یا نشست خاص سے بیٹھتا ہے۔ اور اپنی سانس کو ایک وقت میں تک روک کر آہستہ آہستہ چھوڑتا ہے۔ بعض اشخاص ایک نٹھنے سے سانس لیتے اور دوسرے سے چھوڑتے ہیں اور بعض اپنے خیال میں کسی خاص حصہ جسم میں سانس کو ٹھہراتے ہیں۔ مثلاً کوئی سانس کھینچ کر دماغ میں روکتا ہے اور کوئی قلب میں اور کوئی ناف میں غرضکہ حبس و م کا عمل تو نہایت ہی سیدھا سا وہا ہے۔ مگر لوگوں نے اپنے ذہن سے اس کے صدہا طریقے نکالے ہیں اور مختلف پیڑ مرشد مختلف طرز سے سانس روکنا اور چھوڑنا بتاتے ہیں۔ اس پر

اہل ہند نے آسن اور شست میں بھی بہت کچھ تراش و خراش کی ہے۔ اور اس قدر مختلف آسنوں اور شستوں کا رواج ہے۔ جن کے بیان کرنے کا اس وقت موقع و محل نہیں ہے۔

## حبس دم کا اصلی مقصد

ہندوستان کے اگلے بزرگوں اور مہاتماؤں نے جو یہ حبس دم کے اغفال ایجاد کئے تھے۔ تو ان سے ان کی خاص غایات اور مقاصد تھے۔ استقراء اور تتبع سے صرف یہی تین مقاصد پائے جاتے ہیں۔ جن کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں ۱) خیالات یا حدیث نفس کا روک دینا۔ (۲) وماغ کا بے حس و حرکت کرنا۔ (۳) جسم میں ایٹھس کے تنوع کو زیادہ کرنا اور اس کی لہروں کو اعضائے جسم میں زیادہ داخل کرنا۔ ان تین اجمالی مقاصد کو ہم پھر ذرا تفصیل کے ساتھ حسب ذیل ورج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

(۱) قدیم زمانہ میں یہ بات مشاہدہ کی گئی تھی کہ جب کوئی شخص کسی خیال یا سوچ بچار میں مستغرق ہوتا ہے۔ تو اس کی سانس کی حرکت بتدریج کم ہو جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی انتہائے استغراق خیال میں تنفس موقوف بھی ہو جاتا ہے۔ جب تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ گہرے تفکر کے وقت سانس کم ہو جاتی یا رک جاتی ہے تو اس پر یہ اصول قائم کیا گیا کہ اگر سانس روکی جائے گی تو خیالات

کم ہو جائیں گے یا بالکل بند ہو جائیں گے۔ اس لئے حدیث نفس اور منتشر خیالات کے دور کرنے یا یک سوئی پیدا کرنے کے لئے جس کا طریقہ نہایت ہی مستحسن اور مفید سمجھا گیا ہے۔ اور ایک حد تک یہ قیاس صحیح ثابت ہوا ہے کیونکہ جسم اور ذل میں مناسبت اور ہمدردی پائی جاتی ہے۔ اور ایک کی حالت کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔

(۲) ہندوستان کے اکثر رویش اور مرشد جنھوں نے ہسوں جس دم کی مشق کی ہے اس قدر عرصہ تک سانس کو روک سکتے ہیں جس کے بیان سے لوگوں کو تعجب ہو گا اور وہ بڑی مشکل سے اس بیان کو باور کریں گے خون ہمیشہ گردش کرتا ہے اور ہر سانس کے ساتھ کاربن تو باہر آتی ہے اور آکسیجن اندر جاتی ہے۔ جب دم روکا جاتا تو خون میں کاربن بہت جمع ہو جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس دم سے دماغ بے حس ہونے لگتا ہے اور ایک غفلت کی حالت پیدا ہوتی ہے۔

(۳) جب جس دم کی مشق سے سانس کا روکنا اور چھوڑنا بآسانی اور موقت ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت جو کچھ میتھ جسم کے اطراف بھرا ہوتا ہے۔ اس کی وائٹل فورس یعنی قوت حیات میں زیادہ حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا دوران بہت سریع اور تیز ہو جاتا ہے اور جب یہ تصور کیا جاتا ہے کہ سانس مقامات مخصوص سے آتی اور جاتی ہے تو اس وقت کو فی الواقع سانس ان مقاموں سے

نہ آتی اور نہ جاتی ہے۔ مگر ایتھصر کی لہریں ان مقامات میں البتہ تیز اور سرریج ہو جاتی ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعصاب کے بعض مرکز ترقی کرنے لگتے ہیں اور عالم مثال کھل جاتا ہے۔

## حس و دم کے نتائج

جب اعصاب کے یہ خاص خاص مرکز یا چکر حس و دم سے نمو اور ترقی پا جاتے ہیں۔ تو اس وقت عالم مثال کھل جاتا ہے اور غیب کے مناظر اور تماشے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس وقت مبتدی کی قوت سے یہ بات باہر ہو جاتی ہے کہ وہ ان غیبی مناظر کے دیکھنے سے چشم پوشی کر سکے یا غیبی آوازوں کے سننے سے کان بند کرے۔ یہ دونوں باتیں اس کے امکان سے خارج ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ مناظر اور آوازیں اچھی اور دلچسپ ہوں گی۔ تو انکے دیکھنے سے دل کو لطف اور سرور حاصل ہو گا۔ اور اگر بد قسمتی سے یہ مناظر خراب اور تکلیف دہ ہوں گے۔ اور یہ آوازیں بے ہوشی اور غش ہوں گی۔ تو ان کے سننے سے دل کو نفرت معلوم ہوگی ابتدا میں اکثر عالم مثال کے اسفل طبقے کھل جاتے ہیں۔ اور ان میں بھی ناقابل نفرت سمین نظر آتے ہیں اور گالی گلوچ کی آوازیں اور غش صدائیں سنائی دیتی ہیں۔ اور ان طبقات کے کھل جانی کی صورت میں مبتدی کو ان مناظر سے گریز مشکل

ہوتی ہے۔

عموماً لوگوں کی ساری توجہ اعضائے جسم کی ترقی اور نمو کی طرف مائل رہتی ہے۔ اور ان کے قوائے عقلی اور فکری کافی طور سے نمو نہیں کرتے۔ اور وہ قوائے نفسانی اور شیطانی کے دام میں گرفتار ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر جب وقتاً عالم مثال کے طبقات اسفل کھل جاتے ہیں۔ تو وہ ان کے اثر سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور اس کے عوض کہ وہ ان طبقات اسفل کی اشیاء پر حکمران اور قادر ہوں وہ خود ان کے قابو اور حکومت میں آجاتے ہیں۔ اس لئے عالم مثال کے کھولنے سے پہلے مبتدی کو چاہئے کہ وہ اتقا اور پرہیزگاری حاصل کر لے اور اپنے قوائے عقلی اور فکری کو تعلیم و تربیت سے ترقی دے۔ ورنہ وہ کبھی عالم مثال کی اشیاء پر حاکم نہ ہوگا۔ بلکہ بالکس ان کا ماتحت ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مرشد کامل عالم مثال کے فتنل اکثر انہیں اشخاص کو بتاتے ہیں جنہیں کس قدر استعداد علمی ہوتی ہے۔ اور جو علوم شرع اور اخلاق میں علمی اور علی و ولو طرح کی لیاقت رکھتے ہیں۔ ہماری نزدیک جاہلون اور ناخواندہ اشخاص کو اول ہی مرتبہ ایسے اشغال بتانا نہیں چاہئے جن سے عالم مثال کھل جاتا ہے۔ سب سے پہلے انہیں اخلاق اور نفس کشی کی تعلیم دینی چاہیے۔ سلوک کے طریقوں میں جلدی اچھی نہیں۔ ہیغہ مرید کی اعلیٰ اور ذہنی قابلیت کا اندازہ



کر لینا ضرور ہے۔

جس دم عموماً سب کے لئے مفید ہے کیونکہ اس سے انسان کے قوائے جسمانی میں جان ترقی کرتی ہے۔ مگر عوام الناس کو اس جس دم کی تعلیم ضروری نہیں جو سالکین کے لئے مخصوص ہے۔ عوام کو جس دم کا وہ طریقہ بتانا چاہئے جو عام طور سے جنبشیم یعنی اکھاڑ اور جسمانی کثرتوں کے مقاموں میں بتایا جاتا ہے۔ اس طریقے سے سب کی صحت جسمانی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور اس جس دم سے نہ تو عالم مثال کے طبقات اسفل کھلتے ہیں اور نہ کوئی صدمہ پیش اور سینہ کو پہنچتا ہے۔

## خیال کو شمسی مرکز یا چکر پر جمانا

عالم مثال کے کھولنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اعصاب کے اس مرکز یا چکر پر نظر باطنی ڈال دیا جاتا ہے جسکو شمسی مرکز کہتے ہیں اعصاب ہندوی کے اس مرکز کو دوسرا مانغ بھی کہتے ہیں اور اس کے دوسرے نام بھی ہیں۔ اس مرکز کو ابھارنے کے لئے بہت سے طریقے ایسا دئے گئے ہیں۔ جن کی تعریفوں میں بے فائدہ اوراق سیاہ کئے جاتے ہیں۔ یہ بڑی نادانی کی بات ہے کہ اکثر اشخاص اُن باتوں پر بغیر سوچے سمجھے عمل کرنے لگتے ہیں۔ جنکا اثر ان کے جسم اور مانغ پر پڑتا ہے۔ عقل کی بات تو یہ ہے کہ پہلے

کسی کام کے مال کار اور اس کی خاصیت کو دریافت کر لیا جائے۔ جب اس میں ہاتھ ڈالا جائے۔ اکثر بے علمی اور نادانیت سے نقصان پہنچ جاتا ہے۔

جب کوئی مبتدی اپنی توجہ یا خیال کو مرکز شمسی پر جاتا ہے۔ اور اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا فعل ترقی کرے۔ تو اس کے قلب سے ایک حرکت نکل کر جس کو وائٹل فورس کہتے ہیں تیزی کے ساتھ اس مرکز کی طرف جاتی ہے۔ اور یہ موج زور دار ہوتا ہے بعض اوقات اس مثالی مرکز میں جو اس عصبی مرکز کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ایک تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس مبتدی کو عالم مثال کے طبقات اسفل کا کچھ مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔ یعنی کچھ اجالی شکلیں اور سمیں اسے دکھائی دینے لگتے ہیں جنہیں وہ سمجھ نہیں سکتا۔

ایسی صورتوں میں عموماً وائٹل فورس یا قوت جان اس مرکز میں بکثرت جمع ہو جاتی ہے جس سے مبتدی کے جسم کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ یہ شمسی مرکز جس پر خیال جمایا جاتا ہے ایک نہایت ہی قابل احتیاط مرکز ہے۔ اس کا تعلق اعضائے باطن سے ہے جب اس مرکز پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ تو قوت باطن خراب ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات گردوں کے اغلال میں غل پڑ جاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے

جب کوئی معمولی آدمی جو علم تشریح جسم سے ناواقف ہے اس مرکز شمس پر خیال جاکر اور اعضائے جسمانی پر بھی توجہ کرتا ہے۔ اس کارروائی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کے اعضائے ہاضمہ کے ساتھ اس کے تمام اعصاب میں بھی خرابی اور بے ترتیبی لاحق ہوتی ہے جب اس طرح نظام عصبی میں بے جا مداخلت واقع ہوتی ہے اور اس کے غیر ارادی اور طبعی اشغال میں خواہ مخواہ دست اندازی کی جاتی ہے۔ تو اس وقت جسم میں ناقابل علاج امراض عصبی پیدا ہو جاتے ہیں جن سے دل میں ایک قسم کی سخت مایوسی اور اوداسی لاحق ہوتی ہے۔ جب ان خوفناک اشغال پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ جسم کا کوئی حصہ مفلوج اور بے حس و حرکت ہو جاتا ہے۔

**ایک سفید یا سیاہ داغ پر یا کسی مبالغہ آرائیہ نظر جانا**  
تیسرا طریقہ عالم مثال کے کھولنے کا یہ ہے کہ ایک سیاہ داغ پر جو کاغذ یا دیوار پر بنایا جاتا ہے یا ایک سفید داغ پر جس کے اطراف سیاہی پھیر دی جاتی ہے یا ایک شفاف گولے یا آئینہ پر جو سامنے کہا ہوتا ہے نظر جاتے ہیں۔ اور اس کو پلک مارنے کے بغیر گھورتے رہتے ہیں۔ اس شغل سے دو مقصد ہیں۔ ایک تو یہ کہ اشغال داغ مغل ہو جائیں اور نوم و یقطہ کی حالت یعنی ایک قسم کی نیم غفلت

پیدا ہو۔ دوسرے یہ کہ آنکھوں کے اعصاب کے ذریعہ سے ان مرکزوں میں تحریک اور نمو پیدا ہو جو عالم مثال سے تعلق رکھتے ہیں اور اس طرح ایک عارضی نظر باطنی حاصل کی جائے جس سے عالم مثال کی دید نصیب ہو۔

جب کوئی مبتدی ایک سفید داغ کو آنکھ جاکر گھورنا شروع کرتا ہے اور دیکھنے کے درمیان میں پلک نہیں مارتا تو آنکھوں کی پتلی کے اجزایا ایٹینا سیلر پر بار پڑتا ہے اور ان میں سخت جھکاوٹ اور پستی واقع ہوتی ہے جسکی علامت آنکھوں کی سرخی اور اونہیں پانی نکلتا ہے۔ اور جب اس داغ کو دیر تک گھورتے ہیں۔ تو وہ نظر سے غائب ہو جاتا ہے۔ یہ سفید داغ جو دیکھا ہی نہیں دیتا۔ تو اسکا اصلی سبب یہ ہے کہ آنکھ کی پتلی یا مروم چشم بے حس ہو جاتی ہو جب ایک مدت ورازتک یہ عمل کیا جاتا ہے۔ تو اعصاب چشم خنجر ایک مروس کہتے ہیں سست اور بے حس ہو جاتے ہیں۔ اور آخر کار نظر میں کسی قدر فتور آ جاتا ہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہو تو دماغ میں غفلت لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ خارجی اشیا کو محسوس نہیں کرتا ہے۔ اس حالت غفلت میں بعض اوقات خواب کی حالت لاحق ہوتی ہے اور اس کو بعض مناظر غیبی نظر آتے ہیں مگر اس شغل سے اکثر اوقات کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس شغل سے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں مرکز بنیانی کو

تحریک ہوتی ہے جس کا اثر مرکز مثالی تک پہنچتا ہے اور پھر عالم مثال کے اثرات و مانع میں منتقل ہوتے ہیں جن سے اس عالم غیر مری کے اشکال دکھائی دینے لگتے ہیں۔ مگر جو چیزیں اس شغل سے بعض اوقات دکھائی دیتی ہیں۔ وہ بالکل ناقابل اعتبار ہیں۔ کیونکہ جن اعضا کے وسیلہ سے یہ اشکال ہم تک آتے ہیں وہ اس کام کے لائق نہیں۔

اس قسم کے اشغال اس قابل نہیں ہیں جنکی رغبت عوام کو دلائی جائے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے مانع ہیشہ کے لئے سست اور پست ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اعصاب میں ایک قسم کی بے حسی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان اشغال سے آنکھوں پر بھی بار پڑتا ہے جو خوفناک ہے۔ ممکن ہے کہ ان اشغال کے پریکٹس اور عمل سے ایک عرصہ کے بعد فتور بنیائی پیدا ہو اور آنکھوں کی بصارت ذایل ہو جائے۔ اور اکثر تو یہی دیکھا گیا ہے کہ ان اشغال سے نظر میں ضعف اور کوئی نہ کوئی فتور واقع ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات احوالی اور ترچھا پن بھی اس پیدا ہوتا ہے۔

## اشغال بے فائدہ

ہم میان کر چکے ہیں کہ ان اشغال سے جو صرف و مانع ہی پراثر

ڈالکر کچھ بین النوم و یقظہ کی حالت پیدا کر دیتے ہیں کوئی زیادہ روحانی فائدے حاصل نہیں ہوتے۔ مراقبہ میں بھی سونے کی حالت کی طرح آدمی کی روح اس مادی جسم سے باہر چلی جاتی ہے۔ اور اس کی آگاہی یا توجہ عالم مثال کی طرف ہو جاتی ہے اگر اہل مراقبہ اس غیر مرئی دنیا میں بیدار یا آگاہ ہیں اور وہ ان وہ کام کرتے ہیں تو البتہ وہ کچھ مفید معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ اور مراقبہ سے فارغ ہونے کے بعد خواب کی طرح ان واقعات کو یاد بھی رکھتے ہیں۔ ورنہ جیسے حالت بیداری میں کسی چیز کو نہیں جانتے اسی طرح اس عالم مثال میں پہنچ کر کوئی کارآمد بات نہیں سیکھتے۔

اگر وہ شخص جس کی رسائی عالم مثال تک ہوئی ہے کوئی ایسا آدمی ہے جس کے توانے دماغی یا عقلی میں ترقی نہیں ہوئی۔ یا ایک جاہل یا ناخواندہ شخص ہے جسکی توجہ ہمیشہ اسی مادی دنیا اور جسم طبعی کی طرف مایل رہی ہے۔ تو ایسی صورت میں جب وہ مراقبہ کرتا ہے اور اس پر اس عالم ناسوت سے غفلت کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے قالب مثالی کے ساتھ عالم مثال میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ ان بھی وہ اوپر اوپر مارا ہوا پھرتا ہے اور کسی شے کو دیکھ کر اس کی شناخت نہیں کرتا اور کوئی مفید بات اسے حاصل نہیں کرتا۔ جس طرح ایک گنوار اور جاہل آدمی شہر میں آکر

تمام چیزوں کو حیوانات کی طرح اجمالاً دیکھتا ہے اور ان اشیاء کی حقیقت اور خاصیت سے بے خبر رہتا ہے۔ اسی طرح سے ایک جاہل صوفی بھی مراقبہ کے ذریعہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ وہ عالم مثال کے مناظر اور اشکال کو اسی طرح اپنے مراقبہ میں دیکھتا ہے جس طرح کہ ایک معمولی آدمی خواب دیکھتا ہے۔ عالم مثال سے واپس آنے یا مراقبہ سے بیدار ہونے کے بعد بھی ہمیں وہی ادراک و آگاہی یا عقل و تمیز رہتی ہے جو اس سے پہلے تھی۔ ان واقعات سے صاف واضح ہے کہ اس ابتدائی انکشاف عالم مثال سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور اس لئے ان اشغال کے اکتساب سے زیادہ کوئی نفع نہیں جنہیں ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ آج کل یورپ اور امریکہ میں اسی قسم کے صدہا اشتغال کتابوں میں درج کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی تعریفوں کے لیے چوڑے اشتہارات اخباروں میں دیکھے جاتے ہیں۔ اور بڑی بڑی فصاحت و بلاغت سے ان کی طرف لوگ رغبتیں دلاتے ہیں۔ مگر جب ہم ان اشغال اور اکتساب کے بے فائدہ ہونے پر اور ان کے خطرات اور نقصانات پر ایک گہری نظر ڈالتے اور ان کے بُرے نتائج پر غور کرتے ہیں جو غلغلیہ اور اداسی اور مایوسی کی شکل میں پیدا ہوتے ہیں جو ان کے عالموں کے آئید حال ہوتی ہے۔ تو ہمیں یہ کہہ دینا ضرور ہے کہ ان اشغال سے کچھ فائدہ نہیں اور کوہکنڈ

اور گاہ بر آوردن کی مثل صادق آتی ہے۔

## فصل ۸۔ عالم مثال کو اعلیٰ طبقات کی دید

### سچے سالکین کا طریقہ

اب تک ہم نے ان اشغال کا ذکر کیا ہے جن کے اکتساب و رمانغ میں عالم مثال کی تحریکوں کے اصول کرنے یعنی ان سے متاثر ہونے کی کس قدر صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اور رمانغ اور اعصاب کے بے حس ہوجانے سے عالم مثال کے طبقات ادنیٰ کھل جاتے ہیں۔ مگر جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں ان اشغال سے فائدے بہت کم ہیں اور ان میں خوف و خطر زیادہ ہیں۔ اور کچھ زیادہ ان اشغال میں قباحت یہ ہے کہ ان سے قرآن و وحانی کوئی بُرا فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور وہ ان اکتساب میں شدید محنتیں اٹھانے کے بعد بھی ناتر بیت یا غف اور بے ترقی یا قف رہتے ہیں۔ اگرچہ ان اشغال کے اکتساب سے کس قدر عالم مثال کھل جاتا ہے۔ تاہم آدمی بلحاظ فہم و فراست اور اخلاق و عادات سے جیسا تھا ویسا ہی رہتا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف بعض اوقات اس کے فہم اور عقل میں کمی اور نقصان واقع ہوتا ہے اور اس کے اخلاق و عادات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو جاتے ہیں کیونکہ



عالم مثال کے اسفل طبقات میں داخل ہونے سے اوس پر وہاں کے کم درجہ اور بد باطن اشخاص کے ولون کے اثرات بد پڑتے ہیں جن سے وہ بچ نہیں سکتا۔

پکے عاشقان حق اور سچے سالکین طریقت اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ راہ سلوک کا دور و دراز راستہ درحقیقت سب سے چھوٹا راستہ ہے۔ وہ اس راستہ میں کسی تکلیف و محنت سے گزر نہیں کرتے۔ وہ برسوں شوق و ذوق سے صبر استقلال کے ساتھ ریاضت اور مجاہدات نفس میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ اپنی کامیابی کے مقابلہ میں عمر نوج کو بھی ناچیز جانتے ہیں۔ ان کے ولون میں بھی خواہش ہوتی ہے کہ ہم ابد الابد تک بھی اپنے اشتغال قائم رکھیں اور انھیں میں ان کو مزالمات ہے۔

ایک مدت و راز کے مجاہدے اور ریاضت کے بعد سالکین کو اپنی ذات کا علم یا عرفان حاصل ہوتا ہے اور فانی اللہ کا اعلیٰ مقام پانے کے بعد جو انسانی ترقی کی معراج انتہائی ہے۔ وہ اپنی آپ کو پہچانتے ہیں۔ جب اس کو خود شناسی نصیب ہوتی ہے تو وہ خود بالقصد مجاہدے اور اکتساب کے ذریعہ سے اپنی خود غرضی۔ ذاتی تشخص اور اغراض نفسانی سے باز آتا ہے اور غیریت کو یک لخت چھوڑ دیتا ہے۔ اور اپنی ہر جسمانی اور روحانی قوت کو ان اشخاص کی امداد کے لئے وقف کر دیتا ہے جو اس کا رخنہ عالم کی

ترقی اور بہبودی کے لئے کام کر رہے ہیں۔ یعنی وہ جو کچھ کام کرتا ہے وہ خالصہً للہ مخلوق کی نفع رسانی کے لئے کرتا ہے اور اپنی ذاتی اغراض کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں دیتا۔

اس انتہائی معرُج خود شناسی پر پھنپنے کے لئے جو مال کار انسانیت ہے یہ ضرور ہے کہ انسان اپنے اخلاق و عادات کو درست کرے اور سخت مجاہدے اور ریاضت کے ذریعہ سے نفس کے ہلکات سے بچے اور فضائل نفس اکتساب کرے۔ انجو احساس و خیالات کو آراستہ کرے۔ اور تزکیہ۔ تجلیہ اور تصفیہ سے قلب و روح کی صفائی حاصل کرے۔ جو لوگ اپنے ہم جنسون کے قوائے روحانی کی ترقی میں ساعی ہیں اور جنہیں اون کی خدمت اور ہدایت سے استقدر خوشی ہوتی ہے۔

کہ وہ اپنی خوشی ترقی روحانی اور منفعت ذاتی کو بھول جاتے ہیں۔ وہ واقعی راہ سلوک کے اعلیٰ منزلوں پر پہنچے ہوئے ہیں جہاں پر ان قوتوں کا ظہور آسان ہے جن کے ابھار اور نمو سے عالم مثال یا ملکوت دکھائی دیتا ہے یعنی خود غرضی کے چھوڑ دینے اور دوسروں کی خدمت بغیر کسی مرزا اور صلہ کے کرنے سے سالکین طریقت کو عالم مثال کے اعلیٰ طبقات بہت جلد اور باسانی کھل جاتے ہیں۔ یہی اہل اللہ جو خالصہً اللہ یا خلق کی خدمت پر ہمہ تن مصروف ہیں ہر زمانہ میں یعنی قریب السطن کی ترقی کے نمونے ہوئے ہیں۔ اور

انھیں کی پیروی سے لوگ آئندہ بھی ترقی کر سکتے ہیں۔ جن قوموں میں ایسے اشخاص کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے وہ دراصل روحانیت میں ترقی کرتی ہے اور جن میں یہ لوگ مفقود ہوتے ہیں وہ نفس کے جہلکات میں گرفتار ہوتی ہے اور رغبت و کسبت اور پستی میں گر جاتی ہے۔

## مدارج ترقی کو جلدی حاصل کرنا

سالمین ترقی انسانی کے منازل اور مدارج کو جلدی طے کرنا چاہتے ہیں۔ اور مدارج ترقی پر پہنچنے کے لئے سخت محنت اور مشقت کا بار اٹھاتے ہیں اور عوام الناس نہایت ہی آہستہ رفتار کے ساتھ ہزاروں برسوں کے عرصہ میں ان گناٹیوں کو طے کرتے ہیں۔ عوام الناس میں عالم مثال کے دیکھنے کے لئے وہ نظر مدت دراز میں خود بخود پیدا ہو جائے گی جس سے اس عالم غیر مری کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس مدت مدید کے بعد ان کے دماغ بھی اس حد تک ترقی کر جائیں گے کہ ان تک وسیع تر عالموں کی تحریک پہنچنے لگے گی اس زمانہ میں ان عوام الناس کے دماغ اس تحریک سے بالکل بے حس ہیں۔ جب ان کے دماغوں میں اس تحریک کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ تو ان پر عالم مثال کھل جائیگا۔ جو ہمارے اندر اور اطراف و جوانب اس وقت موجود ہے۔ اس زمانہ میں بھی اکثر بچے ایسے پیدا ہوتے ہیں جن پر چھ سات سال

تک عالم مثال کھلا رہتا ہے اور اس عمر کے بعد والدین کی بے احتیاطی اور جہالت کی وجہ سے جو ان کی تربیت و تعلیم میں واقع ہوتی ہے یہ نایاب قوت زائل ہو جاتی ہے۔

کسی معین اور مقررہ طریقہ سے جو اس میں تراشے گئے ہیں یہ ضرور نہیں کہ سالک پر عالم مثال کھل جائے۔ بلکہ اس عالم غیر مری کی وید کے لئے یہ لازمی ہے کہ قوائے وماغی اور عصبی میں ترقی پیدا ہو۔ اور وماغی ترقی کے لئے ضرور ہے کہ کسی طرز عمل یا اکتساب سے احساس قلب اور ارادے کی قوتوں میں نمو اور زور پیدا کیا جائے۔ ان روحانی قوتوں کی ترقی کا عام اصول تو یہی ہے کہ ان کا اکتساب اور مشق عمل میں آئے۔ مگر کسی خاص شغل اور طرز عمل کی کوئی خصوصیت ہو نہیں سکتی۔ ان اندرونی قوتوں کی ترقی سے وماغ اور اعصاب کی ترقی لازمی امر ہے۔ اور چونکہ نوع انسان ہزاروں برسوں سے قوائے روحانی کا اکتساب کر رہی ہے اور اس میں یکے بعد دیگرے اخلاق و عادات شریفہ قائم ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے وماغوں میں بھی تدریجی ترقی ہوتی جاتی ہے اور وماغ اور اعصاب میں عالم مثال کے دیکھنے کی صلاحیت خود بخود پیدا ہوتی رہتی ہے۔

جب یہ بات بخوبی ثابت ہو چکی کہ عالم مثال کی وید پاد سے وماغ اور اعصاب کی تیاری اور مستعدی پر منحصر ہے۔ تو آپ

چاہیں تو عوام الناس کے ساتھ بدرجہ قوائے وماغ میں ترقی کریں اور ہزاروں برسوں میں آہستہ آہستہ اس قابل ہوں کہ عالم مثال کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں یا چاہیں تو سخت محنت اور ریاضت کے ذریعہ سے جو سالکین راہ طریقت کا مسلک ہے جلد ہی اپنے وماغ اور اعصاب میں وہ استعداد اور ترقی پیدا کر لیں جو عالم مثال کے کھلنے کے لئے ضروری ہے اور اسی زندگی میں بعد الموت کی زندگی کا لطف اٹھائیں اور عالم آخرت اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ یہاں دونوں طریقے بتا دئے گئے ہیں۔ اب ناظرین کے اختیار میں ہے کہ وہ جس طرز کو چاہیں پسند فرمائیں۔

وماغ کی ترقی کہ انسان عالم مثال کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے کسی خاص مدت یا وقت کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی۔ یعنی کوئی عرصہ یا مدت اس ترقی کے لئے مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ترقی ہر شخص کی وماغی قابلیت اور استعداد پر منحصر ہے۔ جو لوگ خلقتاً عمدہ اور مستعد وماغ رکھتے ہیں انہیں عالم مثال ان اشخاص کی بہ نسبت جلد کھل سکتا ہے۔ جن کی وماغی ساخت بہت ہی اور ناقابل ہے۔ اگر ہم میں اس قدر صبر و استقامت ہو کہ ہم اس خیال پر قائم ہو جائیں کہ ہم اپنے آہستہ دوہم جنسوں سے راہ سلوک میں جلدی منازل طے کریں گے۔ تو اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اسی

طہر ثبات کی وجہ سے عالم مثال کے اعلیٰ طبقے ایک دن ضرور ہم پر کھل جائیں گے۔ ہمارا ہی ضعف ارادہ اور ہمارا ہی جبر ثباتی اور عدم استقلال اس راہ سلوک میں سد راہ ہے۔

القلب خلاق الاشیا یعنی بہت بڑا بنیو الاشیا کا ہی

وہ اصل اصول جبر عالم مثال کی وید کی عمارت قائم ہے حسب ذیل درج کیا جاتا ہے۔

روح کا ظہور جسم کی ترقی پر منحصر ہے۔ یعنی جسم کی ترقی اور نمو کو بغیر قوائے روحانیہ کو کوئی کمالات ظاہر نہیں ہو سکتے

اس کا سبب کیا ہے کہ ہم سب کو عالم مثال کیون کھلا ہوا نہیں ہے۔ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ ہمارے قوائے روحانی نے ابھی جزوی ترقی کی ہے۔ اور بعض قوائے روحانی تو ابھی تک ظاہر ہی نہیں ہوئے ہیں۔ اور اس لئے ہمارے دماغ اور اعصاب میں ترقی کی ضرورت بھی لاحق نہیں ہوئی ہے۔ اس زمانہ میں جس حد تک دماغ ترقی کر چکا ہے عوام الناس کے دماغوں کو وہ ترقی نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اپنے دماغوں پر ذرا بھی اس محنت اور ریاضت کا بار نہیں ڈالتے جو انکی ترقی اور ہمارے لئے ضروری ہے

عوام الناس ابھی اس بات کو سمجھے ہی نہیں کہ دل بہت براخلاق  
 اعضاء ہے یعنی وہی مختلف اشغال پیدا کرتا ہے۔ بھی تائب یا  
 دل ہے جو ہمارے اعضائے جسم کو بنانا اور دماغ اور اعصاب  
 تیار کرتا ہے۔ اس اصول کو عام طور پر لوگ نہیں سمجھ سکتے ہیں  
 اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو کسی خاص طرف مصروف  
 رکھنے کی قوت پیدا نہیں کرتے۔ ان کے دماغ میں مختلف اور  
 کمرہ خیال آیا کرتے ہیں اور کوئی با ترتیب اور قوی خیال قائم  
 نہیں ہوتا۔ اگر ہم کسی اعلیٰ درجہ کے ترقی یافتہ اور قوی دل  
 کی پوشیدہ کارروایوں یعنی خیالات کو چشم بصیرت سے ملاحظہ  
 کریں۔ تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس طرح ایک زور دار قوی  
 قلب سے زور دار خیالات کی موجیں دماغ میں آتی ہیں۔ اور  
 کس طرح خیال کی قوت دماغی قوتوں کو بناتی یا پیدا کرتی ہو  
 اگر ہم علم افعال الاعضاء کی کسی عمدہ کتاب کو کھولیں اور  
 اس میں دماغ کے ان سیلنز یا باریک غدودوں کو پڑھیں اور  
 ان کی تصویروں اور نقشوں کو سمجھیں۔ تو ہمیں معلوم ہو جائیگا  
 کہ ہر ایک سیل یا نہایت ہی چھوٹے غدودوں سے کئی شاخیں  
 نکلی ہیں اور ان خون نے بڑھ کے مجھورے مادہ کا ایک  
 جال سا پیدا کر لیا ہے۔ یہ باریک رگیں جو ایک دماغی غدود سے  
 نکلتی ہیں۔ دراصل علاحدہ تار برقی کے تار ہیں۔ جب دماغ میں

ان غددوں کی کثرت ہو جاتی ہے اور ان میں یہ تار قائم ہو جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ دماغ کی قوت بڑھ گئی۔

جب خیال کی موجیں ایک زوردار اور قوی دل سے نکل کر دماغ کے اس بھورے مادے میں پھنچتی ہیں جس کو سلیز کا مجموعہ کہتے ہیں تو ان سلیز یا غددوں میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور وہ زیادہ شاخیں پیدا کرنے لگتے ہیں اور اس سے دماغ کی قابلیت اظہار خیال اور احساس و ادراک میں ترقی واقع ہوتی ہے۔ ابھی یہ بات پورے طور سے ثابت تو نہیں کہ یہ سلیز یا غدد خود بھی بڑھتے ہیں۔ مگر اس بات کا امکان عام طور پر باور کیا جاتا ہے اسی اصول کی بنا پر یہ امر طے شدہ ہے کہ دل یا قوائے روحانی کے اکتساب اور باضابطہ ذکر و شغل سے دماغ کی قابلیت اور استعداد میں بہت کچھ ترقی ہوتی ہے۔ اور یہی اصول سالکین کو راہ سلوک میں زیادہ رہنما اور بکار آمد ہے۔ اور اسی اصول کے سمجھنے اور مشق و اکتساب سے عالم مثال کے اعلیٰ طبقات کھل جاتے ہیں۔

اسی کتاب افعال الاعضاء سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ہر ایک قوت روحانی یا قلبی کے متعلق دماغ کے بھورے مادے میں کچھ چھوٹا سا رقبہ سلیز کا موجود ہے۔ اور اسی بھورے مادے کے ذریعہ سے ہر ایک مخصوص قوت قلبی کا ظہور ہوتا ہے۔ فرض کرو



کہ ہم دو زبانیں جانتے ہیں تو ہمارے دماغ کے بھورے حصہ میں ایک زبان کے بولنے - اس کے لکھنے اور اس کے پڑھنے کا رقبہ پایا جاتا ہے۔ اس طرح دو نون زبان کے چھ رقبے ہمارے دماغ میں پائے جائیں گے۔ یہی حال ہر ایک قوت روحانی یا قلبی کا ہے کہ اس کے متعلق دماغ میں ایک مخصوص رقبہ ہوتا ہے مثلاً علم موسیقی تصویر کشی - نقشہ کشی - ریاضی وغیرہ علوم کے جدا جدا مرکز یا رقبے دماغ میں موجود ہیں جو ان علوم کے اکتساب سے نمودار ترقی کرتے ہیں۔

جب ہم روح کی کسی خاص قوت کا اکتساب کرتے ہیں تو دماغ کا ایک خاص مرکز یا رقبہ جو اس قوت قلب سے تعلق رکھتا ہے بڑھنے لگتا ہے۔ اور اس قوت کے کمال کے ساتھ اس دماغی مرکز کے نمونہ کمال پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی نیا علم یا اکتساب شروع کیا جاتا ہے تو دماغ کے مخصوص سلیز کے مجموعہ میں تغیر واقع ہوتا ہے اور اس بھورے مادہ میں ایک خاص پہلو ظاہر ہوتا ہے۔ جب تک ہماری طرف سے بالارادہ کوشش اور سعی عمل میں نہیں آتی اس وقت تک کوئی قوت دماغی کا ظہور نہیں ہوتا۔ اور دماغ کے بھورے سلیز میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔ اس لئے پھر ہم صاف طور سے یہی کہتے ہیں کہ قلب ایک قومی خلاق الانشیا ہے اور جب اسکی قوتوں کو ترقی دیتے ہیں یعنی

خیال کو کسی طرف لگاتے ہیں۔ تو اسوقت اس خیال کی ترقی کے ساتھ ساتھ ماوہ وماغ کو بھی ترقی ہوتی ہے۔

## اصول تکرار

سالکین راہِ خدا کا طریقہ عمل بالکل علمی اور سائنٹفک ہے اور اس لئے اس میں ناکامی واقع نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ کوئی عمل شوق اور صبر و ثبات سے کیا جائے۔ ان کے اشتغال اور اعمال اس اصول پر مبنی ہیں کہ جب کوئی فعل بار بار دہرایا جاتا ہے تو اس کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور وہ طبعی اور غیر ارادی ہو جاتا ہے اسی طرح جب کوئی خیال بار بار کیا جاتا ہے تو وہ خلقی اور طبعی ہو جاتا ہے اور اخلاق موروثی کی فہرست میں داخل ہو جاتا ہے کسی خیال یا فعل کے بار بار دہرانے کو ہم اصول تکرار یا عادت کہتے ہیں۔

اگلے زمانہ کی کتب مقدسہ میں درج ہے کہ آدمی جس خیال میں رہتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔ اور اس ہمارے زمانہ کے بڑے بڑے دانشمندان اور صاحبانِ افکار کا بھی یہی مقولہ ہے کہ آدمی جو کچھ اپنے دل میں خیال کرتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے۔ یعنی انسان کی شکل و صورت قوائے وماغی اور جسمانی بلکہ اس کی کامیابی ناکامی جو کچھ دنیا میں ہے سب اسی کے خیال پر منحصر ہے۔

اس کلیہ کی صداقت میں کسی کو شک و شبہ نہیں اور اسی پر دنیا میں تمام تعلیم و تربیت کی بنیاد قائم ہے۔ مال و دولت حکومت اور عزت۔ لباس اور فیشن یونیورسٹی کی تعلیم مدارس کے علم و ہنہ کسی شخص کو انسان کامل بنانہیں سکتے۔ انسان کامل اور مہذب وہ خود اپنے ہی احساس اور خیال سے بن سکتا ہے اور اسی کی محنت اور جانفشانی اس کو خدا تک پہنچا سکتی ہے اور اسی اصول عادت کے ذریعہ سے وہ غلیق یا خلاق اللہ کا خلعت خاص پہن سکتا ہے۔

مگر کہ فی شخص اخلاق اور مقدس کتابوں کو پڑھ لینے اور ان کے اصول کو مان لینے سے سالک اور صوفی بن نہیں سکتا۔ صوفی اور اہل دل وہی شخص ہو سکتا ہے جو مذہبی حیران، اندس اصولوں پر عمل و درآمد کرتا رہے اور اس کے دل میں وصل حق اور اسرار حقیقت کے معانی کا رنر و شوق ہو۔ وہ ان باتوں پر عمل کرتا ہے جنہیں لوگ کتابوں میں پڑھتے رہتے ہیں۔

سالکین اس اصول عادت کو بالکل علی اور سائنٹفک طریقہ استعمال کرتے ہیں اور اس سے پورے فائدے اٹھاتے ہیں۔ طہارت صبح تزکیہ نفس تصفیہ قلب اور تجلیہ روح میں اسی اصول کو لگاتے ہیں اور امن کی ادا د سے ہر اکتساب و عمل میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اب ہم ذیل میں اس طریقہ کو بتاتے ہیں کہ کس طرح سالکین اس اصول

عادت سے اپنے اشتغال اور کتابات میں کام لیتے اور کس طرح اپنے دل کو تربیت کرتے ہیں۔ اور اس اصول سے فائدہ اٹھاتے ہیں

## ابتدائی مراتب یعنی طہارت جسم

ہمارا مادی جسم بالکل عادت کا غلام ہے وہ نہایت ہی جلد ہر عادت کا تابع ہو جاتا ہے اور پھر اسی میں خوش رہتا ہے بعض اشخاص چار وقت بعض تین وقت۔ بعض دو وقت اور بعض دن رات میں ایک ہی وقت غذا کھاتے ہیں۔ بعض اشخاص سر سے پاؤں تک کپڑوں سے لڑے رہتے ہیں۔ اور بعض ایک کرتے اور تہ بندی پر اکتفا کرتے ہیں اور بعض بالکل ننگے رہتے ہیں بعض چھ گھنٹے محنت کرتے۔ بعض سولہ گھنٹے اور بعض بالکل بیٹھے اور پڑے رہتے ہیں یعنی کوئی محنت نہیں کرتے یہ سب اشخاص اپنی اپنی حالت میں خوش ہیں اور غلات عادت سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔

جو لوگ اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا چاہتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنی روزمرہ عادتوں کو احتیاط کے ساتھ جانچیں اور جو رسم و عادت خلاف اخلاق حمیدہ نظر آئیں یا جو راہ سلوک میں سد راہ ہوں انہیں چھوڑنے کی کوشش کریں اور مجاہد سے اور ریاضت سے کام لیں۔

اس زمانہ میں اکثر پیر و مرشد اپنے مریدوں کو صرف وظائف اور عبادت ہی کی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر ان کے اخلاق و عادت کی طرف ذرا بھی غور نہیں کرتے حالانکہ قرآن شریف میں جو طریقہ تعلیم و تربیت بتایا گیا ہے اس میں اتقا کی شرط اول ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے ہدی للمتقین الی آخرہ۔ یعنی یہ کتاب قرآن شریف پر ہیزگاروں ہی کو ہدایت کرتی ہے۔ اتقا کے بعد ایمان بالغیب صلوات۔ زکات۔ رسالت اور آخرت کی شرط ہے۔ مگر اس زمانہ میں پہلی ہی اہم شرط جس پر اور شروط منہی ہیں بالکل بے ضرورت سمجھی گئی ہے۔

سب سے پہلے مبتدی سالک کو اپنی غذا کی طرف توجہ کرنا لازمی ہے۔ غذا نہایت ہی حلال کمائی سے مہیا کی جائے اور وہ پاک و صاف ہو۔ یعنی حرام اور ناجائز اشیاء کا اس میں سایہ تک نہ ہو اور سید ہی سادی ہو۔ ہمیں اس بات کے کہنے میں ذرا سبقت مل نہیں کہ گوشت خواری ہرگز سالک کے لئے مفید نہیں۔ اگرچہ شریعت سے اس کا کھانا ناجائز نہیں۔ کیونکہ گوشت خواری سے قوائے حیوانی اور نفسانی میں ترقی ہوتی ہے۔ جن کا گھٹانا سالک کے لئے ضروری ہے۔ شراب اور گوشت وغیرہ اشیاء کا ترک اس لئے لازم ہے کہ ان کے کھانے سے جسم میں یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی کہ دماغ ان نازک تحریکوں کو اخذ کرے جو عالم مثال اور عالم

ارواح سے سالکین کو پھنپتی ہیں۔

بڑے بڑے مرشدوں اور مہاتماؤں نے ہزاروں برس کے تجربوں سے اس بات کو دریافت کیا ہے کہ جو اشخاص گوشت اور شراب کے عادی ہوتے ہیں ان کے قوائے روحانی پورے طور سے ترقی نہیں کر سکتے اور ان کے قوائے جمانی ان ریاضات شاقہ کا تحمل نہیں اٹھا سکتے جو راہ سلوک میں اشد ضروری ہیں۔ اگر کوئی شخص جو گوشت اور شراب کا عادی ہے اس راہ صعب میں قدم رکھے گا۔ تو بعوض فائدے کے اس کے دماغ اور اعصاب کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

انہیں وجہ سے جنہیں ہم نے اوپر بیان کیا ہر ملک اور ہر زمانہ سالکین کی غذا صرف پھل پھلاری ساگ پات اور ترکاری اور دیگر میوہ جات اور بقولات رہے ہیں۔ اور اونٹنوں نے بہت ہی کم گوشت۔ اندھے اور مجھلی کا استعمال کیا ہے۔ یہ کوئی مذہبی تعصب اور پاسداری نہیں کہ ترک لحم کی ہدایت یہاں کی جاتی ہے بلکہ بڑے بڑے مسلمان سالکین نے گوشت کھانا ترک کر دیا ہے۔

یہ ممکن ہے کہ جو کوئی گوشت اور شراب خوار شخص گوشت اور شراب چھوڑے اور اس کی جگہ میوؤں اور ترکاریوں کو قائم کرے تو اس تغیر و تبدل سے پہلی دفعہ اس کے جسم اور معدے کو فیضی غذا مناسب نہ ہو۔ اور اس کی طبیعت کو ناگوار معلوم ہو۔ مگر اس سے

پست ہوتے ہوئے نہیں چاہیے۔ آہستہ آہستہ جسم کو اس تغیر غذا کا  
 عادی کرنا چاہیے اور ایک کھانے کو تدریج دوسرے کھانے کی  
 جگہ قائم کرنا چاہیے۔ ایک قلیل ہی عرصہ میں تمہیں اس بات کو  
 مشاہدہ کرنے سے تعجب ہو گا۔ کہ کس رغبت اور خواہش سے تم  
 اس نئی غذا کو کھانے ہو اور متروکہ غذا سے کس قدر متنفر ہو جاتے ہو۔  
 شراب۔ سینہ ہی اور ہر قسم کی منشی اشیاء سے اجتناب لازمی  
 نہیں بلکہ واجب بھی ہے۔ شراب کا استعمال دو ایک مہینہ  
 چاہئے۔ یہاں اس بات کے کہہ دینے کی بھی ضرورت ہے کہ اگر  
 سالکین کا طریقہ زندگی اختیار کیا جائے گا۔ تو وہاں کی ضرورت ہی  
 نہ پڑے گی اور امراض جسمانی ہی پیدا نہ ہوں گے۔ بلکہ صحت جسمانی  
 اور قوت اعضائے جسم پورے طور سے حاصل ہو جائے گی۔ شراب  
 اور دیگر منشی اشیاء کے استعمال سے دماغ کے نازک سیلز اور باریک  
 ساختوں پر خراب اثر پڑتا ہے اور اس کے دائمی بلکہ وقتاً استعمال سے  
 سنجو دماغ کی وہ اعلیٰ قوتیں بگڑ جاتی ہیں جن کے ذریعہ سے روحانی  
 ترقی حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جب دماغ کا بھورا مادہ بے حس  
 ہو جاتا ہے اور اس میں مستی اور پستی واقع ہوتی ہے تو اس وقت  
 عالم مثال کے کھلنے کی امید بالکل جاتی رہتی ہے۔

سچے اور سچے سالک اس پیشہ ہر فعل بلکہ ہر خیال پر غور و فکر کیسے ہی حقیر  
 کیوں نہ ہو ایک نگران توجہ اور شخص کن نظر رکھتے ہیں۔ وہ اکثر اپنے

روزمرہ کے افعال اور خیالات کی جانچ پڑتال کیا کرتے ہیں۔ اور جو حرکات خراب معلوم ہوتی ہیں انہیں مجاہد سے اور ریاضت سے چھوڑتے جاتے ہیں۔ وہ اپنے دل ہی میں سے بڑے خیالات اور بری خواہشوں کو خوار و اور ختون کی طرح سے اکٹھا کرتے ہیں تاکہ خصلات حمیدہ کی طاقت و زور میں خلل نہ آجائے۔ وہ اپنے جسم کو غسل اور طہارت سے پاک و صاف رکھتے ہیں اور اپنے اعضائے جسمانی کو بھی کسی مفید کام و ریاضت سے مندرست و صحیح رکھتے ہیں۔ وہ نہ اونچی کپڑے پہنتے ہیں اور نہ لباس اتنا تنگ و چست کرتے ہیں کہ اعضائے جسم کے نمو میں کوئی روک پیدا ہو اور ان کی حرکات میں کسی قدر خلل واقع ہو۔

اس طرح مختلف طریقوں سے سالکین اپنی زندگی کے جسمانی رخ کی اصلاح کرتے ہیں اور اس ناسوتی اور مادی زندگی کو اصول و فطرت الہی کے مطابق اور مناسب بناتے ہیں۔ اگرچہ انکی عادتیں اور طرز زندگی نہایت ہی سیدھے سادے اور بہت باضابطہ اور با ترتیب ہوتی ہیں مگر ساتھ ہی اس کے ان کے قوائے جسمانی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اور وہ ضعف بدنی سے کابل و کمزور نہیں ہو جاتے۔ غذا کے پرہیز کے ساتھ اس بات کا خیال بھی ضروری ہے کہ مرید کے قوائے جسمانی اور صحت میں کوئی فتور واقع ہونے نہ پائے بلکہ برخلاف اس کے مرید کی طاقت اور صحت پورے طور سے قائم



رہے۔ اور اس کے ذہن اور دل میں کامل خوشی اور نشاط پائی جائے جیسے کہ دوپہر کے وقت آفتاب انتہائی عروج پر ہوتا ہے اور اپنی شعاعیں چاروں طرف پھیلاتا ہے۔ اسی طرح ایک لک کے قلب کی حالت بھی ہونی چاہئے جس سے خوشی اور نشاط کے اثرات چاروں طرف پڑیں اور جو اسکی صحبت میں آئیں انکو دلون میں بھی تھوڑی دیر کے لئے خوشی اور سرور سرایت کر جائے اور دُزاویر کے لئے جو اہل دنیا اس کے پاس آئیں وہ دنیوی رنج و افکار سے نجات پا جائیں۔

## روزمرہ کی زندگی میں دل کا تربیت کرنا

سچے سالک کو ضرور نہیں کہ وہ انسانوں کی صحبت چھوڑ کر جنگلون بھاڑوں پر جا کے بیٹھے اور وہاں اپنی روحانی ترقی کے اکتساب میں مشغول ہو۔ کیونکہ جو صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ اور روحانی ترقی وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ لوگوں کی صحبتوں اور تمدن کے حلقے میں رہ کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ معمولی آدمیوں کی طرح شہر اور قصبوں میں رہنا۔ لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا لوگوں کی طرف سے جو سختیاں اور ناگوار باتیں واقع ہوں۔ انہیں بطیب خاطر برداشت کرنا قدرتی آفتوں اور مصیبتوں کو صبر و استقلال سے جھیلنا۔ سب وہ امور ہیں جو سالک کے ساتھ سالکدہ راہ خدا سے

اشغال وادکار کو قائم رکھتے اور انسانی سوسائٹی ہی میں رہ کر تمام  
متنازل آخرت طے کرتے ہیں۔ ترک دنیا اس کا نام نہیں کہ مرید  
سوسائٹی کو ترک کر کے حیوانوں کی طرح پہاڑ کے تنگ و تاریک  
غاروں اور گنجان جنگل جھاڑیوں کے تنہا گوشوں میں بیٹھے۔

تمام اخلاق حمیدہ میں سب سے اول جو صفت قابلِ کتابت  
اور جو تمام صفات نیک کی اصل کہی جاسکتی ہے وہ صفت اُنی  
غرضی یعنی اُنیار نفس ہے۔ جس طرح سے تمام اخلاق کی جڑ طہیم  
اُنیار نفس اور بے غرضی ہے۔ اسی طرح تمام بد خلقیوں اور  
برا مٹیوں کی جڑ اس کا ضد یعنی خود غرضی ہے۔ دنیا میں جس قدر  
جرائم بے رحمان اور ایذا رسانیان اس وقت دکھائی دے رہی  
ہیں۔ ان کا اصل یہی خود غرضی ہے۔ دنیا کی ساری مصیبتیں  
آفتیں اور درد و کھ اسی خود غرضی سے پیدا ہوئے ہیں۔

اگر انسان کے تمدن اور سوسائٹی پر ایک سرسری نظر  
ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ بہت کم لوگ اس  
مذموم طاقت خود غرضی سے بچے ہیں۔ سب میں کسی نہ کسی  
طرح قطعہ اُنیار بہت خود غرضی کا رنگ دکھائی دے رہا ہے خود  
غرضی سے بچنے اور اُنیار نفس کی اعلیٰ صفت حاصل کرنے کا  
یہ طریقہ نہیں کہ ہم اسکا انفس کرتے ہیں کہ ہم میں یہ صفت موجود  
نہیں بلکہ اس کے حصول کا دانشمندانہ طریقہ یہی ہے کہ ہم دوسری

خدمت اور اعانت میں اس قدر سرگرم رہیں کہ ہم اپنے آپکو بھول جائیں اور اپنی ذاتی منفعت کا خیال بھی دل میں نہ آنے دیں ہمیں چاہئے کہ ہم ہر دم دوسروں کے نفع رسانی کی فکر میں غرق رہیں اور کسی دُرا سے ایسے موقع و محل کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیں جس میں دوسروں کی کوئی خدمت ہم سے ہو سکتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے مختلف اسکیم اور طریقے سوچتے رہیں۔ اور وقتاً فوقتاً حسب موقع و محل انھیں عملی صورتوں میں ظاہر کریں۔ اس کی کوئی پروا نہ کرنی چاہئے کہ لوگ ہماری کاموں کو دیکھیں یا انھیں اچھا یا بُرا کہیں۔ ہمیں اسکا خیال بھی نہیں ہونا کہ جو کام ہم نفع رسانی کے لئے کرتے ہیں وہ نہایت ادنیٰ درجہ کا گو عمومی فائدہ کا کام حقیر ہو یا اعلیٰ۔ اس کی دُرا بھی پروا نہ کرنی چاہئے صرف ہمیں اس کام کو محض حسبِ تائید کرنا چاہئے اور اپنی نیت میں صرف فائدہ عام یا منفعت غیر کا خیال رکھنا چاہئے۔ اپنا ذاتی لگاؤ اس نعلِ تیز ہرگز نہ ہو۔ مریضوں اور بیماروں کی خدمت کرو غیر دون اور آفت زدوں کو بھی اپنی صحبت اور دم دلا سے سے تسکین دو۔ کمزور اور محتاجوں کی اعانت کرو۔ اور انھیں تقویت دو۔ اسی طرح ہر جگہ اور ہر وقت اپنا نفس کی کوشش کرتے رہو اور ہر لحظہ دوسروں کی خدمت و اعانت سے اپنی روحانی قوت کو بڑھاتے رہو۔ مگر جو کچھ اپنا نفس کے کام تم کرو وہ خوشی اور نجات ہے

کرنا اور اس میں کوئی بے عزتی اور بے آبروئی نہ سمجھو اور ولین  
ہر دم یہی خیال رکھو کہ دوسروں کی خدمت سب عبادتوں میں  
افضل ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص دنیا میں سچی خوشی حاصل  
نہیں کر سکتا۔ اور نہ نفس امارہ کے سخت پنجے سے چھوٹ سکتا  
مختلف درجہ وظائف قلب کو اٹھارہ نفس کی طرف راغب کرتے  
ہیں مگر بغیر اکتساب اور ریاضت یعنی بغیر عملی کارروائی کے یہ  
اعلیٰ درجہ کی فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی۔

جب ہم اپنے ہمدردی انسانی کے فرائض جو اٹھارہ نفس یعنی  
بے غرضی پر مبنی ہیں۔ لطیف خاطر روزانہ انجام دیتے ہیں اور  
دوسرے اشخاص کی زندگی کا بار اپنے کاندھے پر اٹھاتے ہیں  
اور ان کی حالت کو بہتر بناتے اور ان کو خوش کرنے کی کوشش  
کرتے ہیں۔ تو ہم اشیائے عالم کو دوسروں کی غارتگری سے محفوظ  
لگتے اور ان کے مقاصد ہمارے مقاصد اور ان کے احساس ہمارے  
احساس ہو جاتے ہیں اور اس طرح ہمارے دل میں مخلوق کی  
سچی محبت پیدا ہوتی ہے جو اصل غایت مرتبہ وحدت ہے۔  
اور غیریت کے قطع کرنے کے لئے ایک تیج بران ہے۔ اس  
محبت سے ہمارے دل میں اطلاق حسیدہ اور فضائل پسندیدہ کی  
خواہش پیدا ہوتی ہے۔ ہر ہم سب بنی نوع آدم کو ایک جان اور  
ایک قالب سمجھنے لگتے ہیں اور اس وقت توحید کے اسرار کا

انکشاف شروع ہوتا ہے جو اصل نجات اور نجاتی اسلام ہے۔ یہ وہی محبت ہے جس کے وجود سے بڑے بڑے اولیاء اللہ اور مہاتماؤں نے وصال حق حاصل کیا ہے اور فنا فی اللہ کا اعلیٰ مرتبہ پایا ہے۔ اسی سچی محبت۔ اسی بے غرضانہ خدمت اسی دانشمندان

حکمت اسی خالص اللہ ہدرو می بین سے بتدریج اندرونی الہام اور انکشافات کا سلسلہ قائم ہونے لگتا ہے اور روشن ضمیری اور تصرف ملک و ملکوت کی اعلیٰ توفیق حاصل ہوتی ہیں اور غیب کے اسرار کھلتے ہیں۔ کیونکہ سالک توحید کا عملی سبق سیکھتا ہے۔ جو یہ بتاتا ہے کہ عالم ہمہ اوست ہے۔ اور ماسوا اللہ کے کوئی شے موجود نہیں۔ اس عملی توحید کے بعد ہر شے میں سالک کو خدا ہی نظر آتا ہے۔

فیضیاتی ہے جس کی خبر قرآن شریف میں دی گئی ہے۔ اس وقت فانیما تو لوثم وجہ اللہ کی نظر یا دید پیدا ہوتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جب ہر تم منہ پھیرتے ہو اور ہر خدا کا منہ ہے۔

جب یہ آگاہی اور دید سالک میں پیدا ہوتی ہے اور وہ دنیا کی ہر شے کی حقیقت کو دیکھنے لگتا ہے جو ہزاروں پردوں میں چھپی ہوئی ہے تو اس وقت سالک کی نظر سے حجاب الہامانی اٹھ جاتے ہیں اور وہ پھر کسی شے سے وہو کا نہیں کھاتا اور کوئی اس کو فریب نہیں دے سکتا۔ شیاطین جن دانش کوئی اس کے اطراف آنے کی جرات

نہیں کر سکتے۔

اس اہم روی انسانی اور اتیار نفس کے بعد دوسری وہ صفات  
ہیں جس کو بڑی احتیاط اور محنت سے حاصل کرنا چاہیے۔ اس  
صفت کو معمولی زبان میں سچائی اور اصطلاح صوفیہ میں صداقت  
اور راستی کہتے ہیں۔ سالک کو چاہیے کہ سچی بات منہ سے نکالے  
اور جھوٹ سے سخت اجتناب کرے کیونکہ جھوٹ ایک گھرا  
پر وہ ہے جو آدمی کے دل پر جھوٹ بولنے سے واقع ہوتا ہے۔  
سالک کی زبان تعصب، عناد اور غیر واقعیت سے پاک و صاف  
ہونی چاہئے۔ اور جو کچھ وہ بیان کرے یا زبان سے کہے پوری  
سچائی اور واقعیت کی تصویر ہو۔ اس میں دیر بھی کسی مبالغہ اور تعصب  
کی آمیزش نہ ہو۔ اور وہ ہمہ تن اپنی زبان اور اپنے کام اور  
خیالات میں کامل صادق اور پورا سچا ہو۔ اور اس کا کام اور  
اس کے افعال ریا اور تصنع سے بالکل میل نہ ہو۔  
اتیار نفس اور راستی کے بعد اوّلین سچائی میں جن کا اکتساب  
بھی سالک کے لئے ضروری ہے۔ ان میں سے بعض کے نام  
ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل کی یہاں چند ان ضرورت  
معلوم نہیں ہوتی۔ کتب اخلاق ان صفات عالیہ کے مفصل بیان  
سے بھری ہوئی ہیں۔ ان ضروری صفات کے نام یہ ہیں۔ صبر  
قناعت۔ حلاوت۔ امانت۔ سخاوت۔ ہمت۔ ارادہ وغیرہ۔

مگر ان سب اخلاق کی اصل قوت ارادہ ہے جس کا اکتساب ایک خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ اگر ان صفات حمیدہ کو کوئی نفس کشی اور ریاضت اور مجاہدے سے حاصل کرے گا۔ تو تخلیق باخلاق انسان کا مستحق ہو جائے گا۔ کرنا بنی آدم کا خلعت خاص پہنے گا۔ اگر ہم پہلے ان اخلاق کے معنی سمجھ لیں گے۔ اور پھر صبر و استقلال سے ان پر عمل کرتے رہیں گے۔ تو کوئی شے مانع نہیں کہ ہم میں یہ فضائل پیدا نہ ہوں۔ صرف صبر اور ثبات درکار ہے اور مہمت اور شوق کی ضرورت ہے۔

## توجہ یا ہمت یعنی خیال کو ایک ہی مرکز پر قائم کرنا

ہر کام کو پوری توجہ کے ساتھ کرنے میں تو اس میں بے توجہی ہوتی ہے۔ کسی ایک شے پر خیال کو اس طرح جمانا کہ دل میں اس سے تصور کے سوا اور کسی شے کا تصور نہ آئے اس کا روانی کو ہم توجہ کہتے ہیں۔ انسان میں یہ ایک اعلیٰ درجہ کی قوت ہے جس کو فائدے حد شمار سے خارج ہیں۔ خواہ کوئی شخص سالک ہو یا نہ ہو کہ کو یہ قوت نہایت ہی بکار آتی ہے۔

دنیا کے ہر کام میں ہر پیشہ اور ہر حرفہ میں یہ توجہ اور ہمت کامیابی کی جڑ ہے۔ جب کسی ایک بات یا مسئلہ پر پوری توجہ سے خیال جمایا

جاتا ہے اور ہمہ تن دل اس طرف رجوع ہو جاتا ہے تو وہ مسئلہ  
گو کیسا ہی مشکل و دشوار ہو جلد حل ہو جاتا ہے۔ اس لئے وقف  
کار اشخاص ایک ہی مسئلہ یا فن میں ایک وقت تک جب تک  
کہ وہ تصفیہ نہ پائے اپنی توجہ کو مصروف رکھتے ہیں۔ اور کسی  
دوسرے مسئلہ کو ہاتھ نہیں لگاتے گو وہ کیسا ہی مفید کیون نہ ہو  
بھی وہ راز سر بستہ ہے جس سے دنیا میں لوگ ہر علم اور ہر فن  
میں کامیاب ہوئے ہیں اور بڑی بڑی شہرت اور عزت حاصل  
کی ہے۔ اور اس کے خلاف جہان پایا گیا ہے وہاں عمر بھر  
بجز ناکامی کے اور کچھ ظہور میں نہیں آیا۔ اسی توجہ اور ہمت کو  
اکتساب لئے یعنی ایک وقت میں ایک ہی کام کرنے کی عادت  
لئے دنیا میں ہزاروں اشخاص کو اپنے مقاصد میں کامیاب  
کر دیا ہے۔

اس اعلیٰ درجہ کی قوت توجہ کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی  
راستہ ہے اور وہ مزاوالت اور مداومت ہے۔ یعنی جس کام  
اختیار کریں اسی کو صبر و ثبات کے ساتھ برسوں تک کرتے  
رہیں اور دل کو ادھر ادھر متوجہ نہ کریں۔ اس جو اہر بے بہا کو کوئی  
دوسرا شخص دے نہیں سکتا۔ یہ تو صرف اپنی ہی ذاتی محنت  
و اکتساب سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک مرشد یا پیر اپنے مرید کو  
اس قوت کے حاصل کرنے کا راستہ بتا سکتا ہے۔ مگر اس میں



اپنے تصرف سے اس قوت کو جیا کر دینا بڑی ہی دشوار بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔

مرشد مرید کے دل پر ایک حد تک توجہ ڈال سکتا ہے۔ مگر اس کو یہ قوت دے نہیں سکتا۔ خارجی حرارت سے لوہا گرم ہو سکتا ہے مگر جب آگ سے دور کیا جاتا ہے۔ تو پھر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ بھی حال بعینہ مرشد کامل کی توجہ کا بھی ہے۔

اس توجہ کے حاصل کرنے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ جو کام روزمرہ کرتے ہیں وہ پوری توجہ کے ساتھ کیا جائے۔ اور اس کو جہان تک ممکن ہو نہایت ہی عذگی اور بہت ہی دل دہی اور مہنہ مندی سے کریں۔ کسی کام کے کرنے میں جلدی اور سستی اور بے پرواہی نہ کی جائے۔ غرض کہ جس کام کو کریں اس کو خوب سوچ سمجھ کر کریں۔ اور جہان تک ممکن ہو اسکو نہایت ہی خوبی اور تکمیل کے ساتھ انجام دیں اس طرح ہر وقت اپنے روزمرہ کے کاموں میں توجہ اور بہت کا اکتساب اور عمل جاری رکھ سکتے ہیں۔

سوالکین اور دنیا داروں کو تو کو تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے اس قوت توجہ کی ترقی سے انسان کو اپنے بے چین اور مضطرب دل پر حکومت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس حکومت کے ساتھ وہ اپنے خیال پر پورا قادر اور متصرف ہو جاتا ہے اور اپنے اندر ایک ایسی زور و قوت پاتا ہے۔ جس کے بیان کرنے کے لئے ہماری

زبان میں الفاظ موجود نہیں ہیں۔

وہ دل جو تربیت سے پہلے ایک ناکند بچہ یا ایک طفل بے چین تھا۔ اب تربیب اور اکتساب کے بعد ایک شایستہ گھوڑا یا ایک جہذب آدمی ہے جو باگ کے اشارے پر یکسان قدم کے ساتھ چلا جاتا ہے اور ذرا بھی ہماری مرضی کے خلاف نہ اُدھر نہیں ہوتا۔ اب ہم اس شایستہ قلب سے بڑے بڑے کام لیتے ہیں جنہیں اہل دنیا دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔

## مراقبہ

اصول عادت سے سالکین بہت بڑے فائدے اٹھاتے ہیں اور اپنے دل کو قابو میں لانے ہی میں صرف اس اصول سے مدد نہیں لیتے بلکہ اپنے آپ کو تخلق باخلاق اللہ کے اکتساب میں بھی اسی سے امداد طلب کرتے ہیں اسی اصول تکرار اور مداومت اور مزاولت سے یہ تمام قوتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ دل کی توجہ کو ایک خیال پر یا کسی ایک مسئلہ علمی پر لگا دینے کو مراقبہ کہتے ہیں سب سے عمدہ مراقبہ تصور رنج ہے جس کو ایک مرشد کامل تفصیل کے ساتھ مرید کو بتا سکتا ہے۔

مراقبہ کا عام طریقہ یہ ہے کہ پہلی رات سے ایک تنہا مقام میں ہر روز بیٹھتے ہیں۔ خواہ یہ نشست روزانوہ یا چار روزانوہ۔ اور اپنی

آنکھیں بند کر کے بائیں جانب قلب کے مقام میں تصور شیخ جاتے ہیں یا قرآن شریف کی کسی ایک آیت پر غور و فکر کرتے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو اس وقت ایک ہی تصور دل میں رہے اور ایک ہی آیت کے متعلق خیالات آئیں۔ جب خیال دوسری جانب بہا کر تو پھر اس کو کھینچ کر اسی مقام پر لائیں۔ ہر روز اس شغل کے جاری رکھنے سے ایک مدت دزار کے بعد یکسوئی کی عادت پیدا ہوتی ہے جو مرید کو چاہیے کہ پہلی ناکامیوں سے برداشتہ خاطر نہ ہو جائے۔ اور اپنے اشغال کو چھوڑ نہ بیٹھے۔ اس کو چاہیے کہ بتدریج اس شغل کو بڑھاتا جائے اور کسی مسئلہ کا مراقبہ کرنے میں اس بات کا خیال رہے کہ اس کے متعلق اس قدر سوچے کہ اس کے تمام پہلوؤں پر نظر پڑے تاکہ کوئی بات باقی نہ رہے۔ کسی مسئلہ کے سوچنے میں جلدی نہ کرے بلکہ اس کو ہمیشہ اور برسوں سوچتا رہے۔ تب اس کے اسرار باطنی سمجھ میں آئیں گے۔

جب تک کسی شخص کو ذاتی تجربہ حاصل نہ ہو جائے۔ اس وقت تک وہ اس بات کو کبھی باور نہ کرے گا کہ ایک قلیل وقت میں مراقبہ کے ذریعہ سے کیا قوت اور کیا علم اور کیا اسرار باطنی حاصل ہو سکتا ہے جو عمر بھر کتابوں کی اوراق گردانی اور وعظ اور لیکچروں کے سننے سے بھی نصیب نہیں ہوتے۔ یہ چند منٹ کی توجہ کسی خاص امر یا مسئلہ میں وہ کام دیتی ہے جو برسوں مدارس کے سخت امتحانوں کے

پاس کرنے سے بھی روحانی کامیابی مدیسر نہیں ہوتی۔ اس متواتر مراقبہ سے نئے مناظر اور سین ہمارے دل کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں جن کا مشاہدہ اور کسی تدبیر سے ہو نہیں سکتا۔ بعض اوقات عالم مثال کے بے انتہا خوبصورت مرد اور عورتیں اور باغ و مکانات اور وہ وہ خوشنارنگ ہمیں دکھائی دیتے ہیں جنہیں کوئی دنیا کا مصوّر یا شاعر یا نثار اپنی ظاہری اور باطنی رنگ آمیزیوں سے لوگوں کو دکھا نہیں سکتا۔ بعض اوقات اشیاء عالم کی وہ باہمی نسبتیں ہمارے ذہن میں گزرتی ہیں جنہیں اہل فلسفہ اور حکمائے زمان برسوں خاک چھانین تب بھی حاصل نہ کر سکیں۔ کبھی ہمارے دل میں آیات قرآنی کے ایسے معنی خود بخود پکے ہوئے پھل کی طرح ٹپک پڑتے ہیں جسے الہام کہتے ہیں کہ اگر علمائے ظواہر اور متکلمین صد ہا سال تک ان پر غور کریں تب بھی ان دُرے بہا کو نہ پائیں۔ جن باتوں سے ہمارے فرشتے بھی واقف نہ تھے وہ مراقبہ سے ایک آن واحد میں ہمارے دل میں بغیر سوچے سمجھے آجاتی ہیں۔ جو علم مراقبہ سے تنہائی میں حاصل ہوتا ہے وہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے پرنسپل اور فیل کلاسوں اور لیکچراروں کے ٹھاٹھیں بھرے ہوئے ہالوں میں نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ اعلیٰ درجے کے علوم و معارف بالکل سنائے اور پوری خموشی اور سکوت ہی میں منکشف ہوتے ہیں۔

کبھی ایک عمدہ خلق یا اچھی خصلت پر مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس کا

طریقہ یہ ہے۔ مثلاً ہم صفت عدل کو ایک مضمون یا مرکز غور و فکر مقرر کریں اور اسی صفت پر ہر روز مہینہ وقت پر ایک ماہ تک غور و فکر تنہا مین بیٹھ کر کرتے رہیں۔ ہر کو یہ سوچنا چاہئے کہ عدالت کیا ہے اور اس کے فوائد اور نتائج کیا ہیں اور اس کا خدا نا انصافی اور ظلم دنیا کو کیا نقصان پہنچاتا ہے۔ جب ہم عدل کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سوچ لیں تو پھر سب کے بعد ہمیں یہ خیال کرنا چاہئے کہ ہم ایک عادل آدمی ہیں اور اپنے تمام حرکات و سکنات اور روزمرہ کے کاروبار میں اعتدال کو نظر رکھتے ہیں اور اس صفت کے ساتھ لوگوں کے مجمع اور جلسوں میں پھرتے چلتے ہیں۔ ہماری بول چال۔ رفتار و گفتار اور عادات و رسوم سب میں اعتدال موجود ہے۔ گویا کہ ہم عدل کی مجسم تصویر ہیں۔ اس مراقبہ سے بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب صبح کے بعد ہم کاروباری دنیا میں مصروف ہوتے ہیں اور لوگوں سے ملنے جلتے ہیں۔ تو ہمیشہ عدل و انصاف اور اعتدال کا خیال رکھتے اور خود بخود ظلم سے باز اور دل بھاگنے لگتا ہے۔ اور اس طرح جو کچھ ہم نے صبح کو سوچا تھا اس پر خود بخود عمل درآمد ہونے لگتا ہے۔ اور اعتدال کی صفت کے استعمال میں ہمیں پوری آسانی واقع ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم اور صفات اور اخلاق پر مراقبہ کر سکتے ہیں جنہیں ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہے ایک سہل طریقہ مفید مراقبات کا جنہیں خدا ن کامل اور مہاتما ریدن کو بتاتے ہیں اور اس طریقہ سے بتدریج

انسان میں جمیع اخلاق حمیدہ حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ تخلیق باخلاق  
 کا مصداق اور خلیفۃ اللہ کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرز  
 مراقبہ سے رفتہ رفتہ سالک پر عالم مثال کے اعلیٰ طبقات کھل جاتی  
 ہیں اور وہ اپنی باطنی نظر سے تمام عالموں کی سیر کرنے لگتا ہے۔  
 اس قسم کے مراقبات سے مرید ہر قسم کی قوت اور اخلاق رفتہ  
 رفتہ حاصل کر سکتا ہے اور اس کے دل کو کامل تربیت ہو جاتی  
 اور اس کے ساتھ ساتھ دماغ کی حالت بھی بدلتی جاتی ہے۔ اور  
 اس کے سبب اور ساخت میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور غذا کی پاکی  
 اور جسم کی طہارت کے ذریعہ سے اور ان مراقبات کے وسیلہ سے  
 آہستہ آہستہ دماغ میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ عالم مثال  
 کی نازک تحریر کیون کو محسوس کرنے لگتا ہے اور اس میں اس غیر مری  
 عالم کے نقشے اور تصویریں منطبع ہونے لگتی ہیں جنہیں ہم مراقبہ و  
 خواب کے بعد اچھی طرح یاد رکھتے ہیں۔

### تصور شیخ

مراقبہ کی ایک اعلیٰ قسم تصور شیخ ہے اس مراقبہ سے ہمارے  
 قلب و روح کی سب قوتیں ترقی کرتی ہیں اور ہم پر عالم مثال سر  
 عالم جبروت اور دیگر عوالم ارواح کھل جاتے ہیں بعض مرشد مرید  
 اپنا تصور بتاتے ہیں اور بعض کسی بہت بڑے ولی یا قطب کا تصور

کراتے ہیں جس کی تصویر یا سورت پائی جاتی ہے۔ بعض ہندو یہاں  
 کرشن یا گرو کا تصور کرتے ہیں۔ اور بعض اشخاص خود اپنا یا اپنے کسی  
 عزیز یا دوست کا تصور کرتے ہیں جس کے ساتھ انھیں محبت یا عشق  
 ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک پیر کا تصویر سب سے زیادہ مناسب ہو۔  
 بعض مہاتما اور گرو کا تصور اس طرح کرتے ہیں کہ ان کے فضائل  
 اور اعلیٰ درجہ کے اخلاق کو سوچتے ہیں۔ ان کا عدل و انصاف انکی  
 ہمدردی انسانی۔ ان کا رحم و کرم۔ ان کی ریاضت وغیرہ سب صفات  
 نظر رکھتے ہیں اور ان کے اخلاق اور عادات کا پورہ خاکا اتارتے  
 ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ جیسے وہ تھے ویسے ہی  
 ہم بھی ہو جائیں۔ بعض اشخاص بڑے بڑے اوتاروں اور اقطاب  
 زمان کی سوانح عمریوں تلاش کر کے پڑھتے ہیں اور ان کے اخلاق و عادات  
 غور کرتے ہیں اس مراقبہ سے رفتہ رفتہ ان اولیاء اللہ کی ارواح انکی  
 ادا کرنے لگتی ہیں اور وہ خود فنا فی الشیخ کا مرتبہ حاصل کرتے ہیں  
 جس کو عشق کہتے ہیں۔

بعض اشخاص تصور شیخ اس قدر سخت کرتے ہیں کہ انھیں ہر خیرین  
 شیخ ہی دکھائی دیتا ہے اور جو ان سے کلام کرتا ہے اس کو شیخ  
 ہی سمجھتے ہیں۔ فنا فی الشیخ اسی صوفی کو کہتے ہیں جس کو عالم میں بجز  
 شیخ کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد فنا فی الرسول کا مرتبہ ہے  
 اور اس کے بعد فنا فی اللہ کا۔ مگر یہ پچھلے دو مرتبہ اسی پہلے مرتبہ پر مرتب

ہیں۔ اور اصل مرتبہ وہ فنا فی الشیخ ہے جو سخت مجاہدوں اور بہت ریاضتوں کے بعد خوش قسمتی سے نصیب ہوتا ہے۔

مگر بہین عالم مثال اور عالم ارواح میں فرق کرنا لازمی ہے۔ کیونکہ نفس اور روح میں بہت بڑا فرق اور امتیاز ہے۔ روح کی وہ قوت جو دماغ کے ذریعہ سے کام کرتی ہے مدد رک عالم مثال کہی جاتی ہے اور یہ قوت روح کا ایک اور اک خاص ہے جو بغیر دماغ کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر روحانیت خالص کا یہہ حال نہیں۔ عالم میں صرف ایک ہی ذات احد کو دیکھنا اور ماسوا اللہ سے انکار کرنا اعلیٰ درجہ کی روحانیت ہے جس کو وحدت یا توحید کہتے ہیں اس کل عالم کو صرف ایک ذات مقدس کا ظہور خیال کرنا اور ایسا تو لوقثم و جہ اللہ (یعنی جدہر منہ کر و اوہر اللہ کا منہ ہے) کی آیت کو سمجھنا اور اس پر عمل وراہد کرنا اسی کا نام فنا فی اللہ ہے اور یہی تمام ترقی کی معراج ہے۔

## عالم مثال کا کھلنا

جب کوئی مرید اپنے مراقبہ اور مشاہدہ میں برسوں غرق رہتا ہے اور یہ اشغال روز آند صبح کو کرتا ہے اور ہزاروں ناکامیوں پر بھی پست ہمت اور مایوس نہیں ہوتا ہے۔ تو آہستہ آہستہ اس میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جب تک چاہے ایک ہی



خیال کو دل میں قائم رکھ سکتا ہے۔ اور آخر کار وہ اس مرتبہ پہنچتا ہے کہ یہ خیال بھی دل سے محو ہو جاتا ہے اور ایک حالت نوم و یقظہ کی پیدا ہوتی ہے۔ اس وقت نہ کوئی خیال اسکو کسی بیرونی شے کا ہوتا ہے اور نہ اندرونی چیز کا صرف ایک محویت کا عالم طاری ہو جاتا ہے جس میں اپنی ذات کا علم بھی نہیں رہتا۔ اس حالت میں روح یا آگاہی دماغ سے چلی جاتی ہے اور مرید اپنے آپ کو دفعتاً عالم مثال میں پاتا ہے۔ اور اس کے ہوش و حواس اس غیر مری دنیا میں ایسے ہی بر جا رہتے ہیں جیسے کہ اس عالم مادی میں تھے وہ اپنے حواس باطنی سے اس عالم کی چیز کو دیکھتا اور ادراک کرتا ہے یہ نوم و یقظہ کی حالت اس وسیع آگاہی کا مقدمہ ہے جو روح کو حاصل ہے۔ یہ وہ حالت ہے جس کا انتظار سالک کو مدت دراز تھا جس کے حصول کے لئے اس نے ماتون کی نیند اور جسم کی حرکت ترک کر دیا تھا۔ عالم مثال کھل جانے کے بعد دماغ اور روح دونوں آگاہی ایک ہو جاتی ہے۔ اور چشمے اور سمندر میں ایک گہرا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر دماغ روح اور روح دماغ کہے جاسکتے ہیں اور وہ ایک ہی ملک ایک ہو جاتے ہیں۔

## عالم مثال کے کھولنے کا ایک خاص طریقہ

ان طریقوں کے علاوہ جنہیں ہم بیان کر چکے ہیں عالم مثال کے

بہت جلد کھل جانا کا ایک خاص طریقہ بھی ہے جسکو ہم لکھ نہیں سکتے اور جس کی اشاعت کئی وجوہ سے ممنوع ہے۔ اس کتاب کی تکمیل کے لئے یہ ضرور ہے کہ ہم اس طریقہ کا ذکر اجمالی طور پر کر دیں مگر اس کی تفصیل تعلیم کا شایع کرنا نہایت ہی پرخطر ہے۔ اس طریقہ صرف مرشد کامل ہی کسی لایق مرید کو زبانی تعلیم کر سکتا ہے۔ اور جب کسی مرید میں اس طریقہ کے سیکھنے کی پوری استعداد حاصل نہیں ہوتی اسوقت تک اسکو کوئی مرشد کامل ملتا ہی نہیں ہے۔ اس خاص طریقہ کی اشاعت جو نہیں کی جاتی ہے تو اس کا اصلی سبب کسی خود غرضی یا بخل پر مبنی نہیں بلکہ خاص وجہ یہ ہے کہ اس کی تشہیر سے عوام الناس کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے جس کی روک ضروری ہے۔ اگر کوئی نااہل آدمی کسی تدبیر سے اس طریقہ کے عمل کو معلوم کر لے گا جو اس عمل کے اکتساب کے لئے علماء و اخلاقاً از روئے اتفاقاً اور طہارت جہانی کے تیار نہیں ہے اور پھر اس طریقہ پر عمل ورآمد بھی شروع کرے گا۔ تو وہ ضرور اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا یا وماغی اور عصبی خرابی میں گرفتار ہو جائیگا یا ایک نہایت سخت عیاش اور ناقابل برداشت نفسانی آدمی ہو جائیگا کیونکہ غیر متقی آدمی میں اس طریقہ عمل سے اس قوت کا میلان عمل کی طرف ہو جاتا ہے جو اس شغل خاص سے پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ عامل اس قوت کو اپنے قابو میں رکھ نہیں سکتا۔

اس خاص طریقہ کے عمل سے جس کو نہایت ہی مختصر الفاظ میں ہم  
 یہاں بیان کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے قوائے مثالی نمود کرتے ہیں  
 اور ان کے نمونے ایک نہایت ہی پر زور قوت پیدا ہوتی ہے  
 جس کو کنڈلنی یا اتشی سانپ کہتے ہیں اور جو ریڑھ کی ہڈی کے تلے  
 ہر آدمی میں پائی جاتی ہے۔ جب یہ قوت ایک مرتبہ چونک جاتی ہو  
 اور اس کو ایک مناسب اور اعتدالی طور پر کسی خاص طرف لگایا  
 جاتا ہے۔ تو اس وقت وہ زور کے ساتھ نیچے سے اوپر کی طرف  
 صعود کرتی ہے اور جسم کے مخصوص چکرون کو زندہ کرتی اور تقویت  
 دیتی ہے۔

یہ مرکز یا چکر جن کا طول و عرض دو انچ تک ہوتا ہے۔ انجن کے  
 گھومتے ہوئے سپیون یا حلقوں کی طرح ہوتے ہیں یہی چکر ایک  
 طرح کی نہریں ہیں جن کے ذریعہ سے عالم مثال کی فورس یا قوت  
 دماغ اور اعصاب تک پہنچتی ہے۔ یہ مرکز یا چکر ایتھریل جسم میں  
 پائے جاتے ہیں اور ان کے خاص مقامات یہ ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی  
 کی اسفل جڑ طحال۔ ناف۔ قلب۔ یا دل۔ حلق۔ دو نواہر و ون کے  
 بیچ کا مقام۔ سر کے اوپر کا حصہ یا چوٹی۔

جب ان مرکزون یا چکرون کے ذریعہ سے کنڈلنی یا اتشی سانپ  
 چونکا جاتا ہے اور یہ قوت زور کے ساتھ ان مرکزون سے نکلتی ہے  
 تو اس وقت یہ مرکز عالم مثال کی تحریکوں کو محسوس کرنے لگتے ہیں اور

طالب پر عالم مثال پورے طور سے کھل جاتا ہے۔ مگر ہر شخص کو مرکزوں کی حالت مختلف ہوتی ہے اور اسی وجہ سے مرکزوں کی قابلیت اور استعداد کا لحاظ بھی رکھنا پڑتا ہے۔

لیکن اگر مرید یا طالب ہوائے نفسانی اور خواہشات شہوانی سے پاک نہیں ہے اور اگر اس نے عورت کے پاس جانے سے قسطنطینی پرہیز نہیں کیا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس عمل سے اس کو شدید نقصان آید حال ہونے کا یقین کامل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ آتش سانپ اوپر جانے کی عوض نیچے کی طرف آئے گا اور اس کی قوت شہوت یا عورتوں کی خواہش اس قدر شدید ہو جائے گی کہ وہ نہایت ہی سخت جرائم شہوانی کا مرتکب ہو جائے گا۔ اور وحشیانہ سو و خشیانہ افعال اس سے صادر ہوں گے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس خاص طریقے سے بہت جلد اور آسان طور پر عالم مثال کھل جاتا ہے۔ مگر چونکہ اس طریقے میں عورت کے پاس جانے کی سخت ممانعت ہے اور خواہشات شہوانی کا کامل پرہیز ہے۔ اس لئے اس شغل کی جرات ہر شخص کو کرنی نہیں چاہئے اگر اس شغل کا کوئی سچا طالب ہے۔ تو اس کو چاہئے کہ کسی مرشد کامل کو تلاش کرے۔ کتابوں میں اس سے زیادہ لکھنے کی اجازت نہیں مگر ہماری خاص رائے تو یہی ہے کہ مرید کو چاہئے صبر و ثبات سے طریقت کی شامح عام پر چلے اور اتنا مراقبہ اور مشاہدے کے ذریعہ

بغیر کسی خوف و خطر کے منازل باطنی طے کرے۔ اور بتدریج عالم مثال کے طبقات کی سیر کرے۔ آخر میں یہ ضروری ہدایت قابل تاکید ہے کہ ان تمام اذکار اور اشغال میں روزانہ اکتساب کی بہت ضرورت ہو۔

## فصل ۹۔ فنا فی اللہ اور بقا باللہ

کوئی مرتبہ بلند ایسا نہیں ہے کہ انسان اسکی خواہش کرے اور اپنی ارادے میں بچتہ ہو جائے اور وہ اسے نصیب نہ ہو۔ انسان میں قوت ارادہ ایک ایسی زوردار قوت ہے جس سے ہر نامکن شے بھی ممکن ہے کیونکہ ہمارے اندر حضرت حق جلّوہ کرہین اور اس ربانی وجود میں جمیع اسما و صفات موجود ہیں اور ہر قسم کی قوت اس میں مخفی ہے۔ یہ ہماری کمزوری یہ ہمارا نقص یہ ہماری جہالت یہ ہماری پست ہمتی سب ہمارے جسم سے پیدا ہوتی ہے جس میں یہ وجود ربانی مقید ہے۔

یہ دنیا ایک مدرسہ ہے جہاں ہم صد ہا زندگیاں علم اور تجربہ حاصل کرنے میں گزارتے ہیں اور بتدریج اس جسم پر حکومت کرنا اور اس کو قابو میں لانا سیکھتے ہیں اور اس کثیف مادی کے کو اپنی قوت ارادے کو ماتحت کرتے ہیں۔ ایک زمانہ میں ہم ہی وحشی آدمی تھے اور جنگلون جھاڑوں میں درختوں کے پتے اور جڑیں کھاتے پھرتے تھے۔ صد ہا جنموں کے بعد ہم میں تہذیب و شایستگی پیدا ہوئی ہے اور اب ایک وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ہم ہی حضرت حق کی درگاہ مقدس کے فرشتگان عرش اعلیٰ اور مقربان

خداوند تعالیٰ ہو جائیں گے۔

وحشت کے ادنیٰ درجہ سے تمدن کی اعلیٰ المعراج تک جو تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں وہ دراصل روح میں نہیں ہوئیں جس سے انا یا ہم تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ساری تبدیلیاں اور یہ تمام تغیرات جسم میں واقع ہوتے ہیں۔ ترقی اور نمو خارج جسم سے نہیں آتی اور کوئی قوت باہر سے اگر ہمارے اندر گھس نہیں جاتی۔ بلکہ تمام ترقیاں اور ساری قوتیں ہمارے ہی اندر غفلت کی حالت میں موجود ہیں۔ جب وہ اس غفلت سے بیدار ہوتی ہیں۔ تو ترقی اور نمو کی مصداق ہو جاتی ہیں۔ اور اسی کارروائی کو ہم ترقی اور نمو کہتے ہیں جب وہ بہت بڑا استوار تجربہ یا علم ان اندرونی قوتوں کو دوران حیات عالم ناسوتی میں پیدا کرتا ہے۔ تو یہ قوتیں پہلی دفعہ کہ پلوتن کی طرح نمودار ہوتی ہیں اور خود عرضی نفسانیت اور حیوانیت کے مختلف سیاہ اور سنگین پرووں میں اپنی جبک اسطرح دکھاتی ہیں۔ جس طرح کہ ایک شمع کی روشنی کثیف اور میلے آئینوں میں سے نظر آتی ہے۔

مگر جب ہم یکے بعد دیگرے اپنی قوتوں کو ابھارتے اور انھیں ترقی دیتے ہیں اور ہر خلق حسہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرتے ہیں۔ تو اسوقت ہم تخلق باخلاق اللہ کے مصداق ہو جاتے ہیں اور ہمارے اندر سے آفتاب وحدت چمکنے لگتا ہے اور اپنی شعاعیں اور نور اس جسم کے باہر ڈالنا شروع کرتا ہے اور ہمارے حواس ظاہری اور ذکا باطنی کے مطابق ہو جاتے ہیں اسوقت اس حدیث شریف کا مضمون ہم پر صادق آتا ہے کہ خلق آدم علی صورتہ

یعنی حضرت آدم (انسان) خدا کی صورت پر پیدا کئے گئے ہیں۔ جب ہم میں  
 خدا کی صورت ظاہر ہو جاتی ہے۔ تو اس وقت ہم زمین پرانی جاہل فی الارض  
 خلیفہ (ہم نے آدم کو زمین پر اپنا جانشین بنایا) کے مستحق ہو جاتے ہیں اور  
 اس وقت تمام ملائکہ ہلکو سجدہ کرتے ہیں اور جو ہمارے سجدے سے انکار  
 کرتا ہے وہ ابلیس ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔  
 واذ قلنا للملائكة سجدا لادم فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکافرين  
 یعنی ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو اور انھوں نے اس کو سجدہ  
 کیا۔ مگر ابلیس نے نہیں کیا اور انکار کیا اور غرور کیا۔ اس لئے وہ کافر و دمنین  
 داخل ہو گیا۔ جب ہم معراج کمال انسانی پر پہنچتے ہیں اور ہم میں خدا کی  
 ہر صفت اور قوت ظاہر ہوتی ہے اور ہم تمام زمین اور آسمان کے طبقات  
 کھل جاتے ہیں اور ابدی اور ازلۃ اشیا کا علم یعنی لوح محفوظ کا علم ہلکو براے  
 العین ہو جاتا ہے تو ہم پر الہام یا وحی نازل ہوتی ہے اور اس وقت خود  
 حضرت حق اس قالب جسمانی میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اور اس وقت  
 آخری معراج ہلکو نصیب ہوتی ہے۔ جبکو صوفیہ کرام کی اصطلاح میں  
 میر تقیہ انا کہتے ہیں۔ یہ وہی مرتبہ انا ہے جو سب سے پہلے ہمارے رسول  
 مقبول کو حاصل ہوا تھا۔ اور اسی کو زبان شرع میں معراج سے تعبیر کرتے  
 ہیں۔ اس لئے اس امت محمدی کی نسبت خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے  
 نتم خیر امتہ انرجبت للناس۔ یعنی تم سب سے زیادہ بہتر قوم یا جماعت ہو  
 جو خلق اللہ کی تعلیم و ہدایت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اس وجہ سے رسالت

ختم ہو گئی کہ اب مرتبہ توحید میں اضافہ کی گنجائش نہیں رہی۔ کسی پیرسلف نے توحید افعالی کی تعلیم دی اور کسی نے توحید صفاتی کی اشاعت کی مگر ہمارے خاتم الرسل حضرت محمد صلیم نے ہمیں توحید وجودی بتائی جو انتہائی مقام وحدت ہے۔

اس لئے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اپنی روحانی ترقی کو اپنی دنیوی کاروبار کے ساتھ قائم رکھے اور کسی وقت اس مقصود حیات نہ چھوڑے۔ حضرت حق کا نور اور جلوہ ہر دل میں موجود ہے کوئی آدمی خواہ وہ عورت ہو یا مرد۔ ہندو یا مسلمان۔ وہیڑ ہو یا چاراس جلوہ حق ہی خالی نہیں۔ خواہ بچے ہوں یا بوڑھے۔ پاک ہوں یا ناپاک جاہل ہوں یا عاقل سب میں یہ خدا کے نور کی چنگاری پائی جاتی ہے۔ صرف اس کو دھکالنے اور بار بار بچھوکنے کی ضرورت ہے۔ یہ آتش عشق تمہارے ہی اندر موجود ہے کہیں باہر سے نہیں آتی۔ اس لئے ہمت کو ہارنا نہیں چاہئے۔ ہر کام اور ہر پیشہ اور ہر حالت میں خدا کا ذکر اور اپنی روحانی ترقی کی فکر ہو سکتی ہے۔ اگر تم اس وقت کمزور ہو۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ ہمت نہ پست کرو۔ زور خود آجائے گا۔ اگر تم ہزار دفعہ ناکام ہو تو بھی شغل روحانی کو نہ چھوڑو اس کا نہ چھوڑنا ہی کامیابی ہے۔ اگر تم بالفصل نوجوان اور ناز واقف ہو۔ ہمت قائم رکھو اور خدا کا ذکر کئے جاؤ اور صبر و ثبات سے کام لو۔ دانشمند ہی اور علم خواہ جابن گئے۔ دل کو ہمیشہ خدا رکھو امید کو پست نہ کرو۔ اور جہان تک وقت مل سکے روح کی ترقی کو



لئے کچھ نہ کچھ کرتے رہو۔ اگر خدا نخواستہ تم پر کوئی رنج و غم حادثہ یا مصیبت  
 طاری ہو۔ تو یہ دریافت کرو کہ اس سے ہمیں کیا روحانی سبق حاصل  
 ہو سکتا ہے اور صبر اور تسلیم و رضا پر ہم اس وقت کس طرح عمل پیرا ہو سکتے  
 ہیں اگر ہم کو عیش و آرام اور دنیاوی کامیابیاں نصیب ہوں۔ تو ہلکے چاہو  
 کہ ہم اپنے بھائیوں کو بھی ان میں شریک کریں اور انہیں بھی ان سے فائدہ  
 پہنچائیں۔ یاد رہے کہ ہمارا کرہ ارض خدا کے دل میں گردش کھا رہا ہو  
 اور وہی ہمارے اطراف و جوانب محیط ہے۔ اسی کے بے حد رحم و کرم  
 فضل و احسان اور عقلمندی پر ہماری زندگی کا دار و مدار ہے۔ جب تم کو  
 اس بات پر یقین کامل ہے تو اب تم کو کسی چیز سے خوف بے فائدہ  
 ہے اور تمہارا رنج و غم مایوسی اور ہراس کسب ہے اصل وہم و خیال  
 میں ہمیشہ اپنی نظر کو اس خدا کی طرف جمائے رکھو جو کبھی تمہاری آنکھوں سے  
 غائب نہیں ہوتا۔ وہ ازلی اور ابدی ہے۔ وہی پیدا کرتا۔ پرورش کرتا  
 اور مارتا ہے اس کے سوا کسی سے کوئی اسید رکھنا نہایت ہی سفاہت  
 اور جہالت ہے۔ جو لوگ اس دنیا کے تلاطم میں ایک نا خدا کی طرح  
 قطب حق پر نظر رکھتے ہیں اور جہالت میں اپنے کاموں کو اس کے سپرد  
 کر دیتے ہیں وہ اس طوفان دنیا کی ہلاکت سے محفوظ رہتے ہیں اور  
 ان کی کشتی عمر اس بحر ہلاکت سے بال بال بچ جاتی ہے۔

خاتمہ کتاب پر ہم اس قدر لکھنا اور ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص  
 اس قدر دنیا میں انہماک اور اشتغال رکھتا ہے کہ وہ دو ایک لمحے بھی

عبادت الہی میں بغرض ترقی روحانی مصروف رہ سکتا تو وہ سخت خوف  
و خطر میں ہے اور اس کی یہ حالت خطرناک اور قابل افسوس ہے خدا ایسی  
خافل اشخاص کو بیدار فرمائے اور انہیں اس عذاب الیم سے نکالے جو  
بارہ ہجر سے تعبیر کیا جاسکتی ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

مراقب  
محب حسین

المرقوم ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ

## اشتمال کتب تصوف

یہ نئی کتابیں جن میں تصوف اور فلسفۃ الہیات کے مشکل اور دقیق مسائل نہایت  
 آسان پیرایہ میں درج ہیں حسب ذیل فروخت کے لئے موجود ہیں۔ ان کتابوں میں  
 سب کا خیال کیا گیا ہے کہ طالبان حق کو وہ باتیں جنہیں اکثر اشخاص سینہ بسینہ رکھتے  
 ہیں واضح اور صاف طور پر بیان کر دی جائیں۔ اگلے زمانہ میں تصوف کی باتیں تمام اور  
 یستان کے طرز پر لکھی جاتی تھیں تاکہ عوام کی فہم میں نہ آئیں۔ مگر ان کتابوں میں اس  
 زبان کے خلاف پہلو اختیار کیا گیا ہے اور مطالب نہایت سلیس اردو میں عام فہم  
 لکھے گئے ہیں۔ رقعہاتِ محب۔ جس میں اسرار الہی خطوط کے پیرایہ میں لکھے گئے  
 ہیں اور ہر ایک مسئلہ تصوف نہایت ہی صاف طور پر سمجھا گیا ہے قیمت فی جلد ایک روپیہ  
 ۲، وصالِ حق۔ اس ڈراما میں وہ شکوک رفع کئے گئے ہیں جو اجل علوم جدیدہ  
 کے ماہروں کے دلوں میں مذاہب کی نسبت پیدا ہوتے ہیں قیمت فی جلد ۸ روپیہ  
 ۳، مسدس توحید۔ اس نظم میں توحید پر دلائل فلسفی اگلے اور پچھلے علوم سے  
 ایم کئے گئے ہیں جن کے پڑھنے سے وحدت الوجود کے مسئلہ پر پوری شک باقی  
 نہیں رہتا قیمت فی جلد ۴ روپیہ ۴، عالم خیال۔ اس چھوٹے سے رسالہ میں خیال  
 کی قوت اور درجہ بتایا گیا ہے قیمت فی جلد ۴ روپیہ ۵، جذباتِ محب۔ یہ ایک ضخیم کتاب  
 فطرت و لحسپ نظموں کا مجموعہ ہے جن میں بڑے بڑے نازک مطالب اور خیالات  
 جدیدہ بیان کئے گئے ہیں قیمت فی جلد دو روپیہ۔

عبد حصین۔ فیضانِ حیدر آباد و کنیا۔ مطبع اختر و کنیا۔ افضل گنج حیدر آباد و کن